بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدا میں ضیاء الحق مرحوم کا خراج عقیدت شامل ہے

صفحہ ۵ سے ۲۶ تک خالد صاحب نے مختصر سوانح

مرتب کی ہے، ۲۷ سے ۳۲ تک تقاریر کے

اقتباسات شامل ہیں

۳۳ سے ۵۴ تک سات مکتوب ماہ خامہ

ماخوذ نقوش خطوط نمبر شمارہ ۱۰۹ (اپریل مئی)

۱۹۶۸ شامل ہیں

زیر تذکرہ خطوط اللہ بخش صاحب نے

پمفلٹ کی صورت میں شائع کئے تھے

مخفی مباد اللہ بخش صاحب کے مرتبہ خطوط میں

یہی خط نمبر ۲ شریک اشاعت نہیں ہے۔

چونکہ بوقت اشاعت وہ دستیاب نہ ہو سکا تھا

کریم بخش خالد، بہادر یار جنگ کے شیدائی ہیں

اور انہیں نواب صاحب کی ذات سے والہانہ عقیدت

ہے۔ نذیر اسیر

صاحب سیف وقلم

بہادر یار جنگ

مرتّبہ

کریم بخش خالد

ڈائریکٹر محکمہ اطلاعات حکومت سندھ

شائع کردہ

ڈیرہ آرٹ کونسل - بزم بہادر یار جنگ - ڈیرہ اسماعیل خاں سرحد

صاحبِ سیف و قلم

بہادر یار جنگ شہید

تحریر: ——— کریم بخش خالد
ڈائرکٹر مطبوعات محکمہ اطلاعات حکومت سندھ

بلاد اسلامیہ کی سیاحت ۱۹۳۱ء
کے سلسلے کے سات مکاتیب

بار اوّل ـــــــــ

تعداد ـــــــــ پانچ ہزار

مطبوعہ ـــــــــ

تاریخ ـــــــــ ۴ رجب ۱۴۰۵ھ

قیمت ـــــــــ ۳/۵۰ روپے

شائع کردہ

ڈیرہ آرٹ کونسل ۔ بزمِ بہادر یار جنگ

ڈیرہ اسماعیل خاں سرحد

مورخہ ۴ رجب ۱۴۰۵ھ

"صدر ضیاء الحق کا نواب بہادر یار جنگ کو خراج عقیدت"

۴۰ ویں یوم لسان الامت کی تقریب سے خطاب

کراچی ۲۳ جولائی (اسٹاف رپورٹر) صدر نے کہا کہ انھوں نے اپنی ۱۲ اگست کی تقریر میں ملک کے نظام کا جو خاکہ کھینچا تھا توقع ہے کہ اس کی مدد سے ملک میں صحیح معنوں میں اسلام کی روح پھونکی جاسکے گی۔ انھوں نے کہا کہ پاکستان میں جو نظام نافذ ہوگا وہ نواب بہادر یار جنگ کی ۱۹۴۳ء کی تقریر سے بھرپور طور پر واضح ہو جاتا ہے۔ اسی شہر کراچی میں قائد اعظم کی سالگرہ کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے نواب بہادر یار جنگ نے قائد اعظم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ اگر آپ پاکستان میں اسلامی نظام چاہتے ہیں تو ہم آپ کے ساتھ ہیں ورنہ نہیں اور جواب میں قائد اعظم نے میز پر گھونسہ مارتے ہوئے کہا تھا کہ ہم اسلامی نظام چاہتے ہیں۔ صدر نے کہا کہ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ علامہ اقبال نے جس پاکستان کا نقشہ کھینچا تھا اور جس پاکستان کے قیام کے لئے نواب بہادر یار جنگ نے اپنی زندگی وقف کر دی وہ پاکستان کو نہ دیکھ سکے۔

نواب بہادر یار جنگ کی آخری خواہش یہی تھی کہ پاکستان میں اسلام کے مطابق حکومت ہو۔ ان کی شخصیت ہمہ جہت اور افکار ہمہ گیر تھے۔ مسلم لیگ کا مطالبہ پاکستان ان کا جزو ایمان تھا انھیں ہر دلعزیزی اور عزت خاندان کی وجہ سے نہیں بلکہ اسلام کی خدمت کے باعث ملی صدر نے کہا کہ زندہ قومیں اپنے رہنماؤں کی یاد تازہ رکھتی ہیں۔ ہماری تاریخ ایسے اکابرین کے کارناموں سے مالا مال ہے ان کے کارناموں کو محفوظ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ نئی نسل ان کے نقش قدم پر چل کر کھوئی ہوئی عظمت حاصل کر سکے۔ ہندوستان کے مسلمانوں میں بیداری کی روح پھونکنے میں نواب بہادر یار جنگ کا سب سے بڑا ہاتھ ہے۔ صدر نے کہا کہ قائد اعظم کی وفات کے بعد جن لوگوں نے ملک کی باگ ڈور سنبھالی انھوں نے اسلامی سیاست کی بجائے دنیاوی سیاست کو اپنایا لیکن موجودہ حکومت کا عزم یہ ہے کہ یہاں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کا بول بالا ہو یہاں سیاست کا وہ رنگ ہوگا جس کا نقشہ نواب بہادر یار جنگ نے کھینچا تھا۔ اور عوام جس کے ۳۷ سال سے خواہاں ہیں۔ صدر نے کہا کہ ہمارے ہاں بڑے نامور عالم اور علماء موجود ہیں جو اسلامی نظام کے نفاذ میں ہماری رہنمائی کر سکتے ہیں۔

روزنامہ جنگ کراچی، ۲۴ جولائی ۸۴ء

بہادر یار جنگ اکیڈمی

۱۰ مارچ ۱۹۲۵ء

سراج الدولہ روڈ، کراچی ۵

محبی محمد یامین سید صاحب، وائس چیرمین میونسپل کمیٹی و
صدر ڈیرہ آرٹ کونسل، ڈیرہ اسماعیل خاں (سرحد)

مجھے یہ جان کر مسرت ہوئی کہ ڈیرہ آرٹ کونسل۔ بزم بہادر یار جنگ قائد ملت کا یوم وفات ہر سال بڑے اہتمام سے مناتی ہے۔ اس سال آپ کی آرٹ کونسل، قائد ملت لسان الامت نواب بہادر جنگ کی حیات اور ان کے پیام پر ایک خوبصورت کتابچہ طبع و شائع کر رہی ہے۔ بہادر یار جنگ نے حصولِ پاکستان کی مہم میں سرفروشانہ کردار ادا کیا ہے۔ پاکستان کے لئے ان کے ذہن میں جو تصور تھا اس کا برملا، لاہور و کراچی کے جلسوں میں اعلان فرمایا۔ وہ ہمارے لئے راہ نما اصول ہیں۔ احیاء اسلام کی جو تحریک دنیائے اسلام میں آج محسوس کی جا رہی ہے اس میں بہادر یار جنگ کی آواز بڑی نمایاں ہے۔

دعا ہے کہ اللہ علیم و قدیر ہم سب کو اسلامی انداز حیات کو سمجھنے اور اسلامی نظام صلوات (امن، اخوت، مساوات اور ربوبیت عالمینی) کو پھر سے نافذ کرنے کی توفیق و صلاحیت عطا فرمائے۔ آمین

خاکسار:

وحید الدین خاں بوزئی

بہادر یار جنگؒ

نام :- محمد بہادر خاں۔ حکومت آصفیہ کا دیا ہوا خطاب بہادر یار جنگ
قوم کے دیئے ہوئے خطابات :- لسان الامت اور قائد ملت
والد کا نام :- نواب محمد نصیب خاں۔ خطاب :- نصیب یاور جنگ
ذات : پنی پٹھان۔ قبیلہ :- سدوزئی
ولادت :- ۲۷ ذی الحج ۱۳۲۲ھ مطابق ۲ فروری ۱۹۰۵ء
مقام پیدائش : مہدوی منزل، بیگم بازار۔ حیدرآباد (بھارت)
تعلیم : حدیث، فقہ، منطق، فلسفہ، اردو، فارسی، عربی اور انگلش
مدرسہ :- مفید الانام اور دار العلوم فوقانیہ (ابتدائی و ثانوی تعلیم)۔
اساتذہ : بحر العلوم علامہ سید اشرف شمسی۔ صاحب "تفسیر القرآن" "لوامع البیان" (عربی)
علامہ محمد سعادت اللہ خان مندوزی مولوی کامل صاحب تفسیر "سعادۃ البیان" (اردو)
قابلیت : بے مثال مقرر، پُر گو شاعر اور ادیب۔ تخلص : خلق
قومی و سیاسی خدمات : صدر مجلس اتحاد المسلمین، صدر آل انڈیا اسٹیٹس مسلم لیگ،
صدر مرکزی انجمن مہدویہ حیدرآباد۔ صدر آل انڈیا تبلیغ کانفرنس، معتمد
مجلس جاگیرداران۔ صدر آل انڈیا مہدویہ کانفرنس، رکن عاملہ مسلم ایجوکیشن کانفرنس،
سیاحت : حج بیت اللہ، حجاز، مصر، شام، فلسطین، لبنان، ترکی، ایران،
افغانستان اور تمام برصغیر ہندو پاک۔
شہادت : ۳ رجب ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۵ جون ۱۹۴۴ء (زہر خورانی)
مدفن : حظیرہ شاہ قاسم مجتہد گروہ مہدویہ، مشیر آباد۔ حیدرآباد (بھارت)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برعظیم پاک و ہند کے سیاسی، معاشرتی اور تہذیبی زندگی میں بیسویں صدی بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اسی صدی میں سیاسی انقلاب آئے، معاشرتی تبدیلیاں ہوئیں، پرانی تحریکوں کی جگہ نئی تحریکوں نے لے لی۔ سماجی اور تہذیبی اقدار بدلے۔ ان تبدیلیوں اور تغیرات نے مسلمانوں کی ملی اور سیاسی زندگی میں ہلچل پیدا کر دی۔ مسلمانوں کی جامد اور ساکت زندگی میں حرکت پیدا کرنے میں ان دیوانوں کا بڑا ہاتھ ہے جن کی فغانِ صبحگاہی نے مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے جگایا۔ ان کے منجمد ذہنوں کو فکر کی حرارت بخشی۔ ان ہی سر پھرے دیوانوں نے ایک لٹے ہوئے اور گم کردہ راہ قافلے کو منزل کی راہ سجھائی۔ انھیں راستے کے پیچ و خم سے آگاہ کیا۔ اپنے لہو سے چراغ روشن کئے جن کی روشنی میں ایک بھٹکا ہوا قافلہ منزل کی طرف بڑھتا گیا اور پھر وہ دن بھی آیا جبکہ اس نے اپنی منزل کو پالیا۔

یہ فغانِ صبحگاہی کبھی پنجاب کی مردم خیز سرزمین سے بلند ہوئی تو کبھی سندھ کے تپتے ہوئے ریگستانوں سے، کبھی گنگ و جمن کے مرغزاروں میں تو کبھی بنگال کے میدانوں میں گونجی کبھی علیگڈھ کی فضاؤں سے تو کبھی دکن کی سرزمین سے بلند ہوئی۔ یہ دیوانے لیلائے وقت کی زلفوں کے اسیر تھے۔ لیکن ان کی دیوانگی میں بھی عجب شان تھی کہ باوجود ایک ہی زلف گرہ گیر کے اسیر ہونے کے وہ ایک دوسرے کے رقیب نہ تھے۔ ان دیوانوں کا عشق ایک تھا اس لئے کہ ان کا دین ایک تھا، خدا ایک تھا۔ وہ سب کے سب شمعِ محمدیؐ کے پروانے تھے اور اس پر متفق کہ

اک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لیکر تابہ خاکِ کاشغر

اِن دیوانوں میں ایک عجیب و غریب خصوصیت یہ بھی تھی کہ ان کے نزدیک فرقہ صوبہ، قومیت، رنگ و نسل کا امتیاز اور تعصب کفر کے مماثل تھا۔ ان کا جذبۂ اخوت عالمگیر تھا اور وہ سارے آبنائے وطن کو اسی جذبے سے سرشار دیکھنا چاہتے تھے۔ (عبدالہادی صدیقی)

اِن معمارانِ قوم میں بہادر یار جنگ بھی تھے جن کی زندگی ملت کیلئے وقف تھی۔ بطلِ حریت بہادر یار جنگ ایک عجوبہ شخصیت اور نادر جامعیت کے مالک تھے، وہ ایک زیرک سیاس، سنجیدہ مفکر، کامیاب قائد، کٹر دیندار، قرآنی علوم کے واقف کار، تاریخ اسلام کے ماہر، سیرتِ محمدیہ کے رمز شناس، ادب و سخن کے رسیا، بزلہ سنجی اور حاضر جوابی میں طاق، رات کے راہب اور دن کے شہسوار تھے۔ دین کے وہ ایسے مبلغ کہ بیس ہزار غیر مسلموں کو مسلمان بنانے کا شرف پائے ہوئے اور قومی قیادت میں ایسے کامیاب کہ مجلس اتحاد المسلمین ہی نہیں آل انڈیا، ٹیٹس مسلم لیگ اور خود آل انڈیا مسلم لیگ کی نازک ترین گتھیوں کے مسلّم گرہ کشا اور کل ہند مسلمانوں کے دلوں کے بادشاہ تھے۔ ان کی ذات زیبائش و سادگی کا مرقع اور امارت میں فقیری کا نمونہ تھی، ان کی خطابت میں بجلی کی کڑک اور ان کی مناجات میں داؤدی سوز و گداز تھا۔ (مولوی غلام محمد)

صبح زندگی

بہادر یار جنگ افغانوں کے سدوزئی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے جو پنی پٹھان کہلاتے ہیں۔ یہ قبائل اٹھارویں صدی عیسوی کے نصف اوّل میں شاہ ابدالی کے ساتھ ہندوستان آئے اُن کے جدِ اعلیٰ محمد دولت خان راجستھان کی ریاست جے پور کے علاقہ بارہ بستی میں آباد ہو گئے۔ محمد دولت خان اور ان کے خاندان کی خدمات کے صلے میں جے پور کے راجہ نے انھیں جاگیر عطا کی۔ پھر انیسویں صدی عیسوی کے نصفِ اول میں یہ خاندان نامعلوم وجوہات کی بنا پر جے پور سے حیدرآباد چلا گیا اور یہاں بھی انھیں جاگیر عطا ہوئی۔ بیسویں صدی کے ابتدائی

دنوں میں اس خاندان کے سربراہ نواب نصیب یاور جنگ تھے۔ ان کے یہاں محمد بہادر خاں ۲ر فروری ۱۹۰۵ء کو حیدرآباد دکن میں پیدا ہوئے۔ ولادت کو ابھی آٹھ روز بھی نہیں ہوئے تھے کہ ماں کی آغوش سے محروم ہوگئے۔ نانی نے پالا پوسا۔ عربی فارسی اور علوم دینی کی تحصیل مولوی سعادۃ اللہ اور علامہ شمسی سے کی۔ ۱۸ سال کے تھے کہ والد کا انتقال ہوگیا۔ تعلیم ترک کرنا پڑی مگر جب تک جیتے رہے طالب علم بنے رہے۔ کتب بینی کا شوق جنون کی حد تک پہنچ چکا تھا روزانہ تقریباً ڈھائی سو صفحات کا مطالعہ معمول ہوگیا۔ ہر سال کسی ایک مضمون کا تعین کرتے اور اس موضوع پر تمام مطبوعہ کتابیں منگواتے اور ان کا مطالعہ کرتے۔ حاشیوں پر نوٹ لیتے، ریمارک لکھتے، اہم مقامات پر نشان لگاتے اور معانی و مفاہیم کو اس طرح ذہن میں منضبط کرتے کہ ضرورت کے وقت وہ بلا تکلف ان کے حیطۂ بیان میں سما جاتے۔

طالب علمی کے دور میں ان کی نظر سے چندے کی وہ اپیل گزری جو سمرنا کے مصیبت زدگان کی امداد کے لئے جمع کیا جا رہا تھا۔ جذبۂ خدمت جو اس نوخیز لڑکے میں پیدائشی تھا، اس اپیل سے عمل پر آمادہ ہوگیا اور اس کمسن طالب علم نے گھر گھر پھر کر سمرنا کے لوگوں کے لئے چندہ جمع کرنا شروع کیا۔

درسی تعلیم سے ہٹ کر مرحوم کو فنونِ سپہ گری سے خاص اُنس تھا اور ذوق ورثہ میں اپنے اجداد سے ملا تھا چنانچہ ایک مدت تک ورزش جسمانی جاری رہی معقول معاوضہ پر بعض مستند استادوں سے تلوار اور لٹھ چلانے میں اور بنوٹ میں مہارت حاصل کی۔ نشانہ بازی اور پیراکی میں تو معدودے چند افراد ہی مرحوم کی ٹکر کے ملیں گے جدید فوجی اصول سے بھی واقفیت حاصل کرلی تھی۔

اساتذہ

محمد بہادر خان شہید (بہادر یار جنگ) کے سوانح حیات کا مطالعہ کرنے والوں کے اذہان میں یہ سوال پیدا ہونا یقینی بات ہے کہ اس دُرِ بے بہا کو آب دار کرنے میں کن ماہرین کے ہاتھ کارفرما رہے ہیں۔ اس بے مثال خطیب، بے بدل قائد اور

ہمہ گیر شخصیت کو تیار کرنے میں اساتذہ نے جو کردار ادا کیا ہے، وہ کیا ہے؟

محمد بہادر خان کو ماں کی گود اور مامتا کی توجہ نصیب نہیں ہوئی۔ ماں کی موت اور نواب نصیب یار جنگ کی دوسری شادی کے بعد اس بچے کی پرورش نانی کی آغوش میں ہوئی۔ محمد بہادر خاں کی نانی، بی بی خاتون خدا ترس، پرہیزگار اور پڑھی لکھی خاتون تھیں۔ نماز، روزے کے علاوہ قرآن شریف کی تعلیم، اچھے اخلاق اور آدابِ مجلس وغیرہ کی تربیت نانی کی نگرانی میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کیلئے آپ مدرسہ مفید الانام میں اور میٹرک کے لئے مدرسہ فوقانیہ دار العلوم میں شریک رہے فارسی، عربی اور دینیات کی کتب مولانا محمد سعادت اللہ خاں مندوزئی سے پڑھیں حقیقت کے مسائل اپنے مرشد حضرت سید محمود صاحب خوندمیری سے سیکھے اور سلوک کی تربیت حاصل کی۔

فنِ خطابت میں قائدِ ملت کو جو مقام حاصل رہا ہے وہ سب پر عیاں ہے۔ انھیں طالب علمی کے زمانے میں میلاد کی مجلسوں میں پلیٹ فارم پر لانے اور تقریر کا فن سکھانے کی ابتدا سلطان الواعظین مولانا سید مرتضیٰ یداللہی نے کی۔ اس کے بعد محمد بہادر خان نے مولانا مناظر احسن گیلانی، صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ کے اندازِ خطابت سے استفادہ کیا۔ علامہ سید سلیمان ندوی کے خطبات پڑھ کر اپنی تقاریر میں رنگ آمیزی کی۔ بلبلِ ہند مسز سروجنی نائیڈو کی تقریر سے شیریں بیانی وسلاست کا انداز اختیار کیا۔ قائدِ ملت ان سب کو اپنا استاد تسلیم کرتے تھے۔

قرآن کی تفسیر، فلسفہ، منطق اور علم الکلام اس وقت کے جید عالم علامہ بحر العلوم حضرت سید اشرف شمسی سے درساً پڑھے۔

قائدِ ملت کی شخصیت کو بنانے، سنوارنے اور ان کی خداداد صلاحیتوں کو صیقل کرنے میں علامہ شمسی کا بڑا عمل دخل رہا ہے۔

بحر العلوم علامہ سید اشرف شمسی

علامہ شمسی کا طریقہ تعلیم اور اندازِ تربیت بھی مروجہ طریقوں سے مختلف تھا۔

کتاب پڑھانے سے زیادہ وہ طالبِ علم کی شخصیت بنانے پر توجہ دیتے تھے۔ کالج جاتے اور آتے ہوئے گھوڑا گاڑی میں شاگرد کو ساتھ بٹھا لیتے اور تمام راستہ درس جاری رہتا۔ نواب محمد بہادر خاں کو گرمیوں کی عین دوپہر چلچلاتی دھوپ میں درس کا وقت دے رکھا تھا اور علامہ خود بھی دوپہر میں آرام نہیں فرماتے تھے۔

قائدِ ملت نے اپنے استاد علامہ شمسی کے بارے میں ایک مضمون لکھا ہے اس کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں :

" باوجود علم و فضل ان کے دل میں شہرت طلبی کا خیال پیدا نہیں ہوا۔ اس بیسویں صدی میں جس کو اشتہار بازی و شہرت طلبی کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ ایسی مثال صرف علامہ بحر العلوم اشرف العلما سید اشرف شمسی براللہ مضجعہٗ کی ذات ہے۔"

" وہ جس خاندان میں پیدا ہوئے وہ متوکل فقراء مہدویہ کا گھرانا تھا جن کا توکل آج بھی بے نظیر ہے جنھوں نے جاگیر کو عار سمجھا منصب و وظیفہ کو ننگ جانا۔ ہر وقت قرآنی آیت للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ کی مصداق رہے۔"

علامہ سید اشرف شمسی ۲۶ محرم ۱۳۴۹ھ ۶۹ سال کی عمر میں واصل حق سبحان ہو گئے۔ قائدِ ملت نے ان کے مزار پر گنبد تعمیر کروایا۔

علامہ محمد سعادت اللہ خان مندوزئی

مولانا محمد سعادت اللہ خان منکسر المزاج، سادگی پسند اور قدیم وضع کے پابند تھے اپنے شاگردوں پر بہت زیادہ توجہ دیتے اور شفقت سے پیش آتے تھے۔

قائدِ ملت کے ذوقِ طبع اور ان کے اخلاق کو پیش نظر رکھ کر مولانا نے انھیں خُلق کا تخلص کرنے کا مشورہ دیا تھا۔

۱۹۴۷ء میں مولانا مندوزئی ریاست حیدرآباد کے قدیم مدرسے دار العلوم کی پرنسپلی سے سبکدوش ہو گئے۔ ۱۹۵۹ء میں وفات پائی۔

بلادِ اسلامیہ کی سیاحت

والد کے انتقال پر ڈھائی لاکھ کا قرضہ ترکہ میں ملا۔ آٹھ سال تک

سادہ سے سادہ زندگی بسر کی جب قرضہ ادا ہو گیا تو اس مردِ خدا نے سب سے پہلے اللہ کے گھر کی زیارت کا ارادہ کیا۔ حج کے بعد سارے بلادِ اسلامیہ کا سفر فرمایا۔ ان ممالک کی ملی اور سیاسی سرگرمیوں کا جائزہ لیا، اکابرین سے ملاقاتیں کیں۔ اس سفر نے دنیائے اسلام کے متعلق ان کی معلومات کو غیر معمولی وسعت بخشی اور ان میں اخوت اور اتحادِ اسلامی کا تخیل پیدا کیا جس کے وہ آخر تک علمبردار رہے۔

فلسطین کے ایک نامہ نگار کے سوال کے جواب میں بہادر یار جنگ نے اپنی سیاحت کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے کہا کہ "میرے اس سفر کے مختلف اغراض ہیں، ان میں سب سے مقدم قرآن شریف کی اس آیت کریمہ پر عمل ہے کہ قل سیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلکم (کہہ دو کہ وہ زمین پر سیر کر کے دیکھیں کہ ان لوگوں کا انجام کیا ہوا جو تم سے پہلے تھے) اس کے بعد عصرِ حاضر کی مسلم اقوام کی حالت کا عینی مشاہدہ کرنا ہے تاکہ ان اقوام کے درمیان روابط کے قوی کرنے کے امکانات کو پیدا کیا جائے۔ (بہادر یار جنگ کا سفر نامہ بلادِ اسلامیہ ص ۳۱۵)

اپنی سیاحت کے دوران یہودیوں کے مرکزی شہر "تل ابیب" جو کچھ دیکھا اسے حق و انصاف کیساتھ بلا تکلف بیان کر دیا۔

"میں نے تل ابیب دیکھا اور اس کی موزونیت اور خوشنمائی سے میں متاثر ہوا۔ میں نے اس شہر کے کتب خانہ کی بھی سیر کی جس میں اس وقت تک ۲ دو لاکھ کے قریب کتابیں جمع ہو چکی ہیں۔ مجھے یہاں عربی لغت کی ترتیب و تدوین کا بھی علم ہوا جسے آٹھ سال کی محنت شاقہ کے بعد یہودی اہلِ علم حرف ج تک پہنچا سکے ہیں۔ میرا یہ خیال ہے کہ یہودیوں کا فلسطین سے اخراج اتنا آسان نہیں جتنا کہ عربوں نے سمجھ رکھا ہے

(دکن کا ابن بطوطہ از خواجہ حسن نظامی مشمولہ سفر نامہ ص ۲-۳)

سیاحت سے واپسی پر تاثرات سفر کو اہلِ ملک کے سامنے پیش کیا ان ہی تذکروں سے متاثر ہو کر خواجہ حسن نظامی نے نواب صاحب کو ابنِ بطوطہ کے نام سے پکارا۔

اپنی پبلک لائف کا آغاز ذکرِ رسول سے کیا۔ وکٹری پلے گراونڈ حیدر آباد

کے ایک جلسۂ میلاد میں محمد بہادر خاں نے حیات طیبہ کے موضوع پر بصیرت افروز تقریر فرمائی۔ نظام بھی موجود تھے۔ دوسرے ہی روز بہادر یار جنگ کا خطاب عطا ہوا۔ خود مرحوم نے اپنی مسجد میں بعد نمازِ فجر ایک گھنٹہ تفسیر سنانے کا اہتمام کر رکھا تھا اور تبلیغ کو ایک مشن بنا دیا تھا کہیں توحید کا نغمہ تو کہیں وحدت کا ذکر کرتے کبھی فاران کی وادیوں کا تو کبھی سینا کی پہاڑیوں پر خطبہ دیتے کبھی صرف حکم لگاتے تو کبھی دعائے خلیل سناتے کبھی اسمٰعیل کی قربانی تو کبھی حسین کی شہادت کے سبق پڑھاتے۔

دکن کا مسیحا

نواب بہادر یار جنگ ملّت اسلامیہ دکن کے قائد تھے۔ دکن کے مسلمانوں کے حقوق کے داعی تھے اور ان حقوق کے حصول اور تحفظ کے لئے ہر محاذ پر لڑنے کو مستعد رہتے تھے۔ دکن میں مسلمان اقلیت میں تھے! اقلیت کے حقوق کے لئے لڑنا انگریز کی سکھائی ہوئی جمہوریت کے لحاظ سے تنگ نظری اور فرقہ پرستی کہلائے گا کیوں کہ انگریز کی جمہوریت تو اکثریت کی حکومت کو حق بجانب قرار دیتی ہے۔ کل ہند پیمانے پر جمہوریت کے اس جھوٹے طلسم کو قائد اعظم علیہ الرحمۃ نے توڑا تو دکن میں ان کے شیدائی بہادر یار جنگ نے یہ کام سنبھالا۔ (مجید فاروقی)

مرحوم نے اپنے سیاسی تخیل کی بنا پر تکلیفیں بھی اٹھائیں۔ ان پر پابندیاں بھی عائد ہوئیں اور ان کے متعلق غلط فہمیاں بھی پیدا کرائی گئیں تاہم انھوں نے ایثار کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا یہاں تک کہ اپنے خطابِ منصب سے بھی دستبردار ہو گئے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔

مرحوم کی کوششوں سے دکن کے مسلمانوں نے صدیوں کے آرام کے بعد کروٹ لی اور مجلس اتحاد المسلمین (۱۹۳۳ء) کے زیرِ سایہ ایک مرکز پر جمع ہو گئے۔ اس کی شاخیں تمام ممالک محروسہ میں قائم ہو گئیں۔ اس کی آواز نے ملت کی آواز کا رتبہ پایا۔ اس کے سالانہ اجلاس میں بیک وقت پچاس پچاس ہزار آدمی جمع ہو جاتے تھے۔

مرحوم کا خیال تھا اور بجا خیال تھا کہ کسی ملک کی سرکاری تعلیم سے قومی

روح زندہ نہیں ہوتی اس لئے حیدرآباد میں وہ ایک خالص اسلامی درسگاہ قائم کرنا چاہتے تھے۔

قائدِ ملّت

قائد ملت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی ان کے اپنے لئے نہ تھی۔ ان کی زندگی قوم کی زندگی کا سامانِ حیات فراہم کرنے کے لئے وقف تھی۔ ان کا مقصدِ حیات خود ان کے الفاظ میں مسلمانوں کو بحیثیت ایک جماعت اسلامی منہاجِ نبوتؐ پر دیکھنا تھا۔ ان کا یہ زاویۂ نظر اعلائے کلمۃ الحق اور ان کی فراست ایمانی کا شاہد صادق تھا۔ اسوۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کا ارام جان تھا۔ وہ تعلیماتِ اسلامی کا مطالعہ خالص اسلامی نقطۂ نظر سے فرماتے تھے اور اسی تعلق سے سوچتے تھے ان کا مشغلہ صبح گاہی تفسیر قرآنی تھا جس پر وہ تمام عمر عامل رہے حق گوئی و بیباکی ان کا طرۂ امتیاز رہا، وہ بالطبع حق پسند، حق شناس، حق گو، حق بین، حق آگاہ و حق نگاہ تھے۔ ایک مومن کی حیثیت سے انھیں اظہارِ حق میں کوئی باک نہ تھا۔ وہ قوی تر دل و دماغ کے آدمی تھے۔ اردگرد کے حالات، مدوجزر، زمانہ کے تغیرات، ملک و وطن کے متضاد کیفیات کا ان پر کبھی اثر نہ ہوا اور نہ کبھی انھوں نے حائل ہونیوالی مشکلات سے شکست کھاکر اعلیٰ خدمات فلاح و بہبود ملک و قوم کو جو ان کا واحد مقصد تھا بھلانا گوارہ کیا۔ وہ ہمیشہ یہ سمجھتے رہے کہ ملک قوم اور اسلام کو ان کی مالی حیثیت سے زیادہ ان کی قربانی کی ضرورت تھی۔ اس ارادہ کے استحکام، توفیق الٰہی کے اعتماد پر انھوں نے اپنی امارت، دولت، اپنے مناصب و اعزاز کو ٹھکرا کر ایسا نمونہ پیش کیا جو ہر مسلمان کو اپنے لئے مشعلِ راہ بنانا چاہیئے۔

خاکسار تحریک میں شمولیت

بلادِ اسلامیہ کے سفر کے دوران اپنے تجربہ اور علم کو مشاہدات کی دولت سے مالامال کیا۔ اور یوں آنے والی ذمہ داریوں کے لئے اپنے آپ کو تیار کیا۔ نگاہ میں وہ زندگی رچی بسی تھی جسے قرآن نے خلقِ عظیم کے خطاب سے نوازا ہے اسی کے اسوۂ حسنہ کے اتباع کو اپنی زندگی کا طور قرار دیا عملی زندگی میں داخل ہوئے تو اسی دانائے سُبل،

ختم الرسل، مولائے کل کے تذکرے کو فتح الباب قرار دیا ہے۔ سیاسی زندگی میں آئے نہیں لائے گئے۔ ۱۹۳۸ء میں خاکسار تحریک سے وابستہ ہوئے کہ اس کا قائد مسلمانوں کی فوجی تربیت پر زور دیتا ہے جو اس انسانِ کامل کی سیرت کا ایک نمایاں وصف ہے جس کی اتباع انسانیت کے فوز و فلاح کی ضامن ہے۔ وہ اس تحریک کے ڈسپلن کے ایسے پابند تھے کہ مثال بن گئے۔ ایک مرتبہ انھیں مجلس کے ایک اجلاس سے خطاب کرنا تھا۔ مگر خاکسار تحریک کے کسی جلسے میں وہ ٹرین کی تاخیر کی بنا پر بروقت نہ پہنچ سکے تھے اور انھیں اس کی سزا میں گرفتار کر لیا تھا۔ نواب صاحب مجلس کے اجلاس میں اس طرح تشریف لائے کہ ان کو قیدی بنانے والے دو خاکسار ان کے دائیں بائیں تھے۔ حاضرین جلسہ نے اپنے قائد کو ایک اسیر کی طرح آتے دیکھا۔ اور پیچ و تاب کھا کر رہ گئے۔ اسی طرح ایک مرتبہ انھیں تحریک کی طرف سے حیدرآباد کی ایک بارونق سڑک افضل گنج پر دوڑ لگانے کی سزا دی گئی اور ہزاروں جانثاروں نے اپنے قائد کو بخوشی یہ سزا بھگتتے دیکھا۔

قائد اعظم سے تعلقات

نواب بہادر یار جنگ کو قائد اعظم کی ذاتِ گرامی سے بڑی عقیدت اور نیازمندی تھی۔ وہ ۱۹۳۸ء میں پہلی بار پٹنہ میں مسلم لیگ کے سالانہ جلسہ میں بطور ممبر شریک ہوئے اور قائد اعظم سے رشتہ نیازمندی استوار کیا۔ پھر عقیدت و نیازمندی میں اضافہ ہوتا گیا۔ وہ قائدِ اعظم کے کردار۔ اخلاص۔ تدبر اور خطابت سے بیحد متاثر تھے اور اپنے آپ کو قائدِ اعظم کا ادنیٰ رضاکار اور سیاسی شاگرد سمجھتے تھے اور بہت ہی ادب کیساتھ گفتگو کرتے تھے اس کا ہمیشہ لحاظ رکھتے تھے کہ کوئی لفظ ان کی طبیعت پر گراں نہ گزرے پھر بھی اپنی گفتگو کے انداز اور ظرافت آمیز جملوں سے خود بھی ہنستے اور قائد اعظم کو ہنساتے۔ خود قائد اعظم بھی ان سے جس طرح کھل کر بے تکلفی سے باتیں کرتے تھے شاید کسی اور سے نہ کرتے تھے۔ نواب صاحب کی گفتگو کا زیادہ زور خاکسار تحریک کی افادیت پر تھا۔ ان کو یہ فکر تھی کہ کہیں قائد اعظم علامہ مشرقی کی غلطیوں کی بنا پر تحریک کے مخالف نہ ہو جائیں۔ ۱۹ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں خاکساروں اور

پولیس کے تصادم نے بڑی تشویش ناک حالات پیدا کر دیئے تھے۔ علامہ مشرقی چاہتے تھے کہ مسٹر جناح پنجاب گورنمنٹ اور خاکساروں میں سمجھوتہ کرا دیں۔ لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ اجلاس کے سلسلے میں جناح صاحب کے حکم سے نواب صاحب بھی دہلی آئے ہوئے تھے۔ ۲۰ مارچ صبح کو ملاقات کے دوران انھوں نے کافی دیر تک تبلیغی انداز میں اس تحریک کی موافقت میں لکچر دیا لیکن ہر دفعہ قائداعظم نے محبت آمیز مسکراہٹ کیساتھ کلام کو قطع کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ مجھے تحریک سے کوئی اختلاف نہیں لیکن جس طرح اس کو گذشتہ ایک سال سے چلایا جا رہا ہے اس کا شدید مخالف ہوں۔ نواب صاحب نے ایک مرتبہ فرمایا :-

"مسٹر جناح میری کوشش اب تک یہ رہی ہے کہ مسلم لیگ کا دماغ اور خاکساروں کی قوتِ عمل آپس میں مربوط ہو کر ایک ناقابلِ شکست قوت بن جائیں اور میں اب تک مایوس نہیں ہوا ہوں۔ میں خاکسار تحریک کو بچانا چاہتا ہوں اور مجھے آپ کی مدد کے بغیر اس میں کامیابی نہیں ہو سکتی۔"

قائداعظم نے فوراً جواب دیا :

نواب صاحب مجھے آپ سے ہمدردی ہے، میں نے آپ کو ہمیشہ مسلم لیگ کا دوست اور مسلم سیاست کا ایک مفید ستون سمجھا ہے لیکن یہ آپ کی خام خیالی ہے، آپ نہیں جانتے کہ مشرقی گمراہ قوتِ عمل کا پیکر ہیں۔ میں نے خود اس امر کی کوشش کی کہ خاکسار تحریک مسلم لیگ کا فوجی بازو بن جائے اور مشرقی بحیثیت سالارِ تحریک ہماری تنظیم کے ماتحت اس کو چلاتے رہیں۔ صلح و جنگ کرنے کا اختیار مسلم لیگ کو ہو پھر اگر کوئی طاقت اس جماعت پر حملہ کرنے کی نیت کرے تو ہم پوری طاقت سے اس کی مدافعت کریں لیکن مشرقی نے اطاعت کورانہ اور تقلیدِ محض کا جو جذبہ اپنے پیروؤں میں پیدا کیا ہے وہ کسی دوسری جماعت کے ساتھ تحریک کو وابستہ نہ ہونے دے گی۔ مجھے خطرہ ہے یو پی میں شیعہ سُنّی تحریک میں الجھ کر اور پنجاب گورنمنٹ کے خلاف غیر آئینی اقدام کر کے مشرقی نے اپنے آپ کو اور اپنی تحریک کو ایسی جگہ لا کر کھڑا کر دیا

ہے کہ اب اس کے بقا اور ارتقاء کی کوئی امید نہیں۔

اجلاسِ لاہور کا پس منظر

"اجلاس لاہور کے متعلق واقف کارانِ سیاست کا اندازہ پہلے ہی سے یہ تھا کہ یہ اجلاس مسلم سیاست میں ایک انقلابی قدم ثابت ہوگا اسی لئے پنجاب کا برسرِ اقتدار گروہ اس کو اپنی سیاسی زندگی کے لئے خطرہ کی گھنٹی سمجھتا تھا۔ اس کی کوشش یہ تھی کہ کسی نہ کسی طرح مسلم لیگ کا اجلاس لاہور میں نہ ہونے پائے۔ ادھر قائد اعظم کی سیاسی فراست یہ تھی کہ وہ اپنا انقلابی قدم مسلمانوں کے مرکزِ اعصاب لاہور ہی سے اٹھانا چاہیئے۔ لیکن اجلاس سے چند دن قبل خاکساروں کا حادثہ پیش آگیا۔ فوراً ہی قائد اعظم کو مشورہ دیا گیا بلکہ ان سے پرزور مطالبہ کیا گیا کہ اجلاس ملتوی کر دیا جائے۔ ان سنگین حالات میں فیصلہ قائد اعظم کو کرنا تھا، لیکن قائد اعظم نے بذاتِ خود فیصلہ کرنے کی بجائے اپنے فیصلہ کا انحصار کس پر رکھا؟ بہادر یار جنگ پر! تار دیکر انھیں حیدر آباد دکن سے دلی طلب کیا۔ پھر بہادر یار جنگ نے کیا مشورہ دیا؟ یہی کہ جلسہ ہو اور لاہور ہی میں ہو!!۔ ان خطرناک حالات میں اجلاس لاہور کی ذمہ داری بہادر یار جنگ نے تنہا اپنے کندھوں پر اٹھالی! اس سے ان کے خلوص اور خود اعتمادی کا پتہ چلتا ہے۔ ان کا یہ مشورہ کہ جلسہ تو ہو مگر قائد اعظم کا جلوس نہ نکالا جائے، بہادر خانی فراست و ذہانت کی مثال ہے۔ پھر لاہور پہنچکر سستائے بغیر کوچہ و بازار کی گردش، خاکساروں کے مورچوں میں گھس کر سر بکف، بیلچہ بردوش سپاہیوں کے اشتعال کو ٹھنڈا کرنا، ان کی فدویت اور جاں نثاری کا کرشمہ نہیں تو اور کیا ہے۔؟ قائد اعظم سے یہ درخواست کہ وہ ہسپتال جاکر زخمی خاکساروں کی عیادت کریں، ان کے تدبر کا ایک نمونہ ہے۔ مکدر و کشیدہ فضا میں ان کا سر سکندر سے ملنا اور یہ جانتے ہوئے ملنا کہ سر سکندر ان ہی کو انعقاد جلسہ کا اصل محرک اور یونینسٹ پارٹی کے کھیل کو بگاڑنے والا تصور کرتے ہیں، کیا ان کی صفائی باطن کی دلیل نہیں ہے؟ روٹھے ہوئے سکندر کو منالینا اور اس کو اجلاسِ عام میں لے آنا ان کی من موہنی شخصیت،

اور بے پناہ جرأت کا اثر ہی تو تھا! قراردادِ پاکستان کے سلسلہ میں ان کی پس پردہ کوششیں "خاصانِ لیگ" میں سے کسی کو خاموش کرا دینا اور کسی کو ہمنوا بنا لینا، اگر ان کی ساحری تھی تو عامۃ المسلمین کے دلوں میں اس قرارداد کے مفہوم و منشاء کو اتار دینا یقیناً معجز بیانی تھی!! پھر اس قرارداد پر ان کا ایمان و ایقان، ملتِ اسلامیہ ہند کے حقیقی نصب العین سے بے پناہ وفاداری کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔"

الہ آباد کا اجلاس لیگ

اپریل ۱۹۴۲ء الہ آباد میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ہوا۔ سر اسٹیفرڈ کرپس اپنی مشہور اسکیم لیکر ہندوستان آئے تھے اور اس پر غور کرنے اور پاکستان کے مطالبہ کا پرزور اعادہ کرنے کی غرض سے یہ اجلاس طلب کیا گیا تھا۔ قائد اعظم نے اس موقعہ پر بڑا پرجوش اور مدلل خطبہ صدارت فی البدیہہ پڑھا اور حسب معمول اس کا ترجمہ بھی نواب صاحب نے کیا۔

خاکسار تحریک سے علیحدگی

۱۹۴۳ء تک علامہ مشرقی کی تحریروں اور تقریروں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ وہ گاندھی جی کے حامی اور قائد اعظم کے علانیہ مخالف ہیں۔ نواب صاحب قائد اعظم کے زبردست حامی تھے اور ان کا ایقان تھا کہ قائد اعظم اور مسلم لیگ کی مخالفت مسلمانانِ ہند کے جہادِ آزادی کو نقصان پہنچانے کے مترادف ہے۔ علامہ مشرقی کے مخالف لیگ رویے نیز انجمن اتحاد المسلمین کے معاملات میں دخل دینے کی وجہ سے نواب صاحب کو سخت صدمہ پہنچا۔ پھر یہ خبر بھی آئی کہ بمبئی میں ایک خاکسار نے قائد اعظم پر قاتلانہ حملہ کیا۔ چنانچہ نواب صاحب کو علامہ مشرقی کی قیادت پر اب کوئی بھروسہ نہ رہا۔ نومبر ۱۹۴۳ء میں انھوں نے علامہ مشرقی کو اپنا استعفیٰ لکھ بھیجا۔ اس میں لکھا کہ "باوجودیکہ میں خاکسار تحریک کے اغراض و مقاصد سے متفق ہوں مگر مجھے اب آپ کی قیادت اور قائدانہ صلاحیتوں پر کوئی بھروسہ نہیں رہا اور اسی لئے میں اعلان کرتا ہوں کہ اب میرا خاکسار تحریک سے کوئی تعلق نہیں رہا۔" ۱۵ نومبر ۱۹۴۳ء کو دہلی

میں کل ہند مسلم لیگ کونسل کا اجلاس ہوا جس میں قائداعظم پر اس حملے کی پرزور مذمت کی گئی اور یہ مذمت سارے ہندوستان کے مسلمانوں کے دل کی آواز تھی۔ (جی۔ الانہ)

کراچی سیشن

"وقت کے نگار خانے میں ایک نقش ایسا بھی ہے جو مسلم لیگ کے ۳۱ ویں سیشن کی یاد دلاتا ہے جو ۲۴ دسمبر ۱۹۴۳ء کو کراچی میں منعقد ہوا تھا۔ نقوش بہت واضح ہیں، قائداعظم کا جلوس اسی بندر روڈ پر نکلا تھا۔ جی۔ ایم سید استقبالیہ کمیٹی کے صدر تھے اور یوسف ہارون معتمد، نواب صدیق علی خاں اور حاجی عبدالکریم باڈی گارڈ کی حیثیت میں قائداعظم کے ساتھ تھے۔ جلوس لی مارکیٹ سے ہوتا ہوا نیپیئر روڈ پر آیا اور پھر بندر روڈ سے سیدھے ہارون آباد کی طرف چلا جہاں جلسہ گاہ کے لئے ایک شاندار دروازہ 'باب السلام' کے نام سے ایستادہ کیا گیا تھا۔ سڑکیں تماشائیوں سے اٹ گئی تھیں۔ گھروں کی چھتیں، دکانیں، عمارتیں اور راستے مردوں، عورتوں اور بچوں سے کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔ جلوس کیا تھا ہر پیشہ اور ہر فرقے کی نمائندگی اس میں تھی۔ گاڑی بان۔ ماہی گیر، شتر سوار، شتربان، تجار اور صناع۔ اپنی اپنی نمایاں خصوصیات کیساتھ جلوس کے ہمراہ تھے۔ آغا خانی بینڈ نغمہ سرا تھا جب یہ عظیم الشان جلوس ہارون آباد پہنچا تو شام کے ہارے بجے تھے۔ پرچم کشائی کی رسم ادا کی گئی اس رسم کے آغاز میں جناب سرور شاہ گیلانی نے قرآن پاک کی تلاوت کی اور قائداعظم نے پرچم کشائی کے لئے اس کی ڈوریاں کھینچتے ہوئے کہا۔ "سندھ پاکستان کا باب الداخلہ ہے اور کراچی اس کی کلید ہے۔"

جی۔ ایم۔ سید نے خطبۂ استقبالیہ دیا ہاشم گزدر نے جو اس زمانے میں سندھ کے وزیر تھے قائداعظم کو پھول پہنائے۔ ایک سو سے زیادہ جریدہ نگار اور صحافی جلسہ کی روداد لینے کے لئے بیٹھے تھے۔ بے پناہ ہجوم تھا۔ قائداعظم نے ایک گھنٹہ ۲۴ منٹ تقریر کی اور آخر میں نواب بہادر یار جنگؒ نے قائداعظم کی تقریر کا مطلب برجستہ اور بامحاورہ اردو زبان میں پیش کیا۔

یہ زمانہ مسلم لیگ کے لئے بڑی آزمائش کا زمانہ تھا قائداعظم کی تجویز تھی کہ

ایک مجلسِ عمل بنائی جائے جو لیگ کی حکمتِ عملی کو عام کرنے میں ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار رہے۔ اسی مسئلہ کے تعلق سے نواب بہادر یار جنگ نے جلسہ کو خطاب کرتے ہوئے قائدِ اعظم سے فرمایا:

"قائدِ اعظم، آپ کے ایک ادنیٰ سپاہی کی حیثیت سے مجھے اجازت دیجئے کہ سب سے پہلے اپنے آپ کو پیش کروں، جو فہرست آپ کی مجلسِ عمل مرتب کرے، حکم دیجئے کہ آپ کے اس سپاہی کا نام سب سے پہلے اس فہرست میں شامل کر لیا جائے۔ میں آپ کو اس اجلاس کے سارے شرکا کو سنسناتی ہوئی ہوا کو، اس پنڈال پر چمکتے ہوئے سورج کو، سارے کرۂ ہوا کو اور خود خدائے قادر و قیوم کو حاضر و ناظر جان کر عہد کرتا ہوں اور آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ آپ مجھے اس راستے پر کٹھن سے کٹھن منزل میں بھی پیچھے نہ پائیں گے۔

آں نہ من باشم کہ روزِ جنگ بینی پشتِ من
آں منم کاندر میانِ خاک و خوں بینی سرے

"قائدِ اعظم! وہ دن میرے لئے عید کا دن ہوگا جب ملّت محمدی کے راستے میں اپنی گرہ کی آخری پائی اور اپنے خون کا آخری قطرہ نچھاور کر کے فخر و ناز کروں گا جس دن میرے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور میرے پاؤں میں بیڑیاں ہوں گی اور جس دن میرا جسم زخموں سے چور ہوگا۔"

سیاسی تدبر

پیر علی راشدی رقمطراز ہیں کہ

"۱۹۳۰ء سے ۱۹۴۴ء تک لیگ کی سیاسیات میں کئی بار بحرانی حالات پیدا ہوئے اور تقریباً ہر موقع پر بہادر یار جنگ مرحوم کی معاملہ فہمی، ان کا سیاسی تدبّر، ان کا تحمل اور بردباری قوم کے کام آئے کبھی ظاہر اور کبھی پس پردہ۔

یہ موقع نہیں کہ ان کے سارے واقعات کی تفصیل دی جائے۔ یہ کام مستقبل کے مؤرخوں اور محققوں کا ہے۔ میں صرف اشارتاً اسی دور کے بعض ایسے معاملات اور واقعات کا حوالہ دے رہا ہوں جن کے سلسلہ میں اس خاکسار نے بہادر یار جنگ کو بڑی مستعدی سے بڑا ہی اہم پارٹ ادا کرتے ہوئے دیکھا۔

پنجاب کے حکمران یونینسٹ پارٹی اور مسلم لیگ کے معاملات
جناح سکندر پیکٹ۔
قراردادِ پاکستان کے حق میں مسلم اکثریت والے صوبوں کے برسر اقتدار پارٹیوں کی رائے ہموار کرنا۔
جمعیۃ العلماء کے پیدا کردہ مسائل۔
بعض مسلم لیگی علماء کے اعتراضات
حیدر آباد کا مسئلہ
خاکسار اور مسلم لیگ۔
برطانیہ کی قائم کردہ قومی دفاعی کونسل کے سلسلے میں بحران اور مسلم وزراء اعلیٰ کے مسلم لیگ سے سرکشی کا امکان۔"

علمی اور معاشرتی سرگرمیاں

یہ تو ان کی سیاسی زندگی کی ایک جھلک تھی۔ ان کی حیات کا علمی اور معاشرتی پہلو بھی کچھ کم دلچسپ نہ تھا۔ وہ زندگی بھر طالب علم رہے۔ وہ فرماتے کہ دو چیزوں کو دیکھ کر رگوں میں خون کی گردش تیز ہو جاتی ہے۔ ایک اچھی کتاب اور دوسرے اچھا ہتھیار۔ ان کی تشنگیٔ علم کبھی فرو نہ ہوئی۔ خصوصاً علم دین کا احیاء اور اس کا حصول ان کا مقصدِ زندگی تھا۔ تفسیر، حدیث، سیرۃ، تاریخ اسلام اور اقبالیات تو ان کے خاص موضوع تھے۔

تفسیر کا درس نمازِ فجر کے بعد اپنے محلہ کی مسجد میں خود دیا کرتے تھے جو ان کے وسیع اور عمیق مطالعہ کا نچوڑ ہوتا تھا۔

ایک عرصہ تک جامعہ عثمانیہ کے طلبا کے سامنے، جو ہر پنجشنبہ کی شام کو ان کی ڈیوڑھی پر جمع ہوتے تھے تاریخ اسلام پر مسلسل لیکچر دیتے۔

ہر جمعہ کو درسِ اقبال کا حلقہ ہوتا جس میں ماہرین اقبالیات کا اجتماع ہوا کرتا تھا اور اقبال کا کلام سبقاً سبقاً پڑھا جاتا۔ اس حلقہ کی افادیت کا ثبوت یہ ہے کہ اتحاد المسلمین کی محلہ داری شاخوں نے بھی اپنے حلقوں میں تفسیر اور درسِ

اقبال کی صحبتیں منعقد کرنا شروع کر دی تھیں۔

قائد مرحوم بڑے زندہ دِل تھے اور شعر و ادب کا نہایت اچھا ذوق رکھتے تھے۔ خُلق تخلص کرتے تھے۔ ممتاز شعراء کا منتخب کلام ان کی نوک زبان پر تھا۔ اچھے شعر پر سر دُھنتے اور دنوں وہ ان پر طاری رہتا۔

عشقِ رسولؐ

بہادر یار جنگ کا ایک اہم وصف ان کا عشقِ رسولؐ تھا۔ اس سے وہ پوری طرح سرشار تھے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ لطف و کرم کو اپنے لئے سرمایہ حیات سمجھتے تھے۔ وہ اپنی ہر تقریر میں کسی نہ کسی اعتبار سے سیرتِ طیبہ پر روشنی ڈالتے تھے اور جب دوران تقریر رسولِ اکرمؐ کا ذکر آجاتا تو اُن کا جوش حد سے فزوں ہو جاتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یکایک کسی دریا میں تلاطم برپا ہو گیا ہے اس ذکرِ جمیل سے ان کا ایک ایک عضو متاثر ہو جاتا اور تقریر کا ہر لفظ سننے والوں کو بھی مسحور اور متاثر کرتا جاتا تھا۔

درسِ اقبال کی ایک نشست میں غالب کی مشہور نعتیہ غزل کا یہ شعر پڑھا گیا ؎

تیرِ قضا ہر آئینہ در ترکشِ خداست
لیکن کشادِ آں ز کمانِ محمدؐ است

تو ان کے سارے جسم پر رعشہ طاری ہو گیا اور روتے روتے حالت دگرگوں ہو گئی۔

بہادر یار جنگ کا اتباعِ سنت کے معاملہ میں یہ حال تھا کہ کپڑے پہنتے ہوئے، گھر سے باہر نکلتے ہوئے، سواری پر سوار ہوتے ہوئے ہر موقع پر ہونٹ ہلتے دکھائی دیتے تھے اور وہ ہی الفاظ سنائی دیتے تھے جو ان موقعوں پر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلتے تھے۔ اس قدر تواتر سے دعاؤں کا ورد کرتے دیکھ کر مولانا عبدالماجد دریا بادی بے ساختہ کہہ اُٹھے۔

"یا الٰہی یہ آل انڈیا لیڈر ہے یا حصنِ حصین قسم کی کوئی کتاب۔"

قادر الکلامی

بزمِ ادبِ تیموریہ دہلی نے انھیں "یومِ ظفر" میں شرکت کی دعوت دی۔ اس کا جواب بہادر یار جنگ نے یوں دیا۔

"یومِ ظفر کا دعوت نامہ پہنچا۔ فرزندانِ تیمور اور بابر کی بیداری میرے نزدیک طلوعِ صبحِ ایشیا کے برابر ہے۔ میں اس حرکت پر مبارکباد عرض کرتا ہوں اور شاہانِ مغلیہ کے عقیدتمند کی حیثیت میں یہ عرض کرنے کی معافی چاہتا ہوں کہ فرزندانِ تیمور نے جس دن شمشیر و سناں چھوڑ کر چنگ و رباب سے دوستی کی وہی دن ان کی تباہی و بربادی کا دن تھا۔ آج آپ ظفر کی یاد منا رہے ہیں لیکن شاہانِ مغلیہ کے آخری اور شمشیر بردار نہیں بلکہ شعر گو بادشاہ کی حیثیت میں۔ میں ان کی یاد منانے کو فرزندانِ تیمور کا اپنی شکست، اپنی ذلت، اپنی رسوائی اور اپنی بربادی کی یاد منانا سمجھتا ہوں، مجھے اس بزمِ ادب کی شرکت سے معاف فرمائیے جس سے اندیشہ ہے کہ کہیں بابر اور تیمور کی عظمت کو میرے دل سے مٹا دے۔ اس دن کی تیاری کیجئے جس دن آپ تیمور صاحبقرانی، بابر فاتح ہندوستان، شہنشاہِ اکبر اور شہنشاہ عالمگیر کی صحیح معنوں میں یاد منانے کے قابل ہو جائیں آنکھوں سے چلتا آؤں گا۔ حاشا و کلا جو کچھ کہا گیا ہے وہ آپ کی تنقیص کے لئے نہیں بلکہ قلب میں سلگتی ہوئی آگ کی چند چنگاریاں تھیں جو بے ساختہ نکل پڑیں۔ معاف کیجئے آپ کے دکھے ہوئے دلوں کو اور دکھانا مقصود نہیں ہے بلکہ مردہ دلوں میں جو شرابِ ادب سے سرمدی موت کا سامان کر رہے ہیں حیاتِ ابدی کیلئے تڑپ پیدا کرنا ہے۔

معاشی نظریات

بہادر یار جنگ مسلم معاشرے کے اس معاشی عدم توازن سے بخوبی واقف تھے جس نے اس کی زندگی کو اندر سے کھوکھلا کر دیا تھا۔ اس ضرورت کے پیشِ نظر مرحوم نے "اسلامی نظامِ معیشت" کو ایک مکمل نظام کی شکل میں پیش کرنے کی کوشش کی۔ اپنی وفات سے تقریباً ڈیڑھ سال قبل ملک کے ماہرین کی تین مختلف کمیٹیاں تشکیل دیں تاکہ اسلام کے معاشی اصولوں کی روشنی میں جدید زندگی

کے مسائل کا حل ڈھونڈا جا سکے۔ ان کمیٹیوں میں ڈاکٹر انور اقبال قریشی، پروفیسر عبدالقادر، ڈاکٹر رضی الدین صدیقی، ڈاکٹر یوسف حسین خان، مولوی غلام دستگیر رشید وغیرہ لئے گئے تھے اور کمیٹیوں کے کاروبار کے تمام اخراجات مرحوم نے اپنے ذمے لے رکھے تھے۔ لیکن نواب صاحب کی وفات کی وجہ سے یہ کمیٹیاں اپنا کام مکمل نہ کر سکیں۔

بہرحال نواب صاحب مرحوم کے معاشی نظریات کو سمجھنے کے لئے ایک واقعہ جناب مظہرالدین صدیقی نے بیان کیا ہے کہ

"ایک مرتبہ میں کلام اللہ کی ایک آیت کا مفہوم سمجھنے کے لئے نواب صاحب کے پاس گیا۔ سورۂ نحل کی اکہتر ویں آیت جس کا ترجمہ ہے" اور اللہ نے بڑائی دی تم میں ایک کو ایک پر روزی میں، سو جن کو بڑائی دی وہ نہیں پہنچا دیتے اپنی روزی ان کو جن کے مالک ان کے ہاتھ ہیں کہ وہ سب اس میں برابر ہو جائیں۔ کیا وہ پھر اللہ کی نعمت سے انکار کریں گے۔" نواب صاحب نے کہا کہ ان کے خیال میں اس آیت سے دولت کی مساویانہ تقسیم کا حکم نکلتا ہے۔ مگر پھر یہ کہا کہ قطعی طور پر کچھ کہنے سے پہلے وہ مختلف علمائے سے بھی اس پر گفتگو کریں گے۔

بہادر یار جنگ کا اندازِ فکر

روحانی اشتراکیت: "اسلام محض مسلمانوں کی خدمت نہیں سکھاتا اور صرف مسلم مفاد کا درس نہیں دیتا۔ سچا انسان بننے کے لئے سچا مسلمان بننے کی ضرورت ہے۔ آج سے تیرہ سو سال پہلے اسلام نے سچی روحانی اشتراکیت کا پیام دیا تھا۔ اسلام نہایت خوش اسلوبی سے غریب و امیر کا فرق و امتیاز ختم کرتا ہے۔"

معاشی نظام: دنیا کے تمام نظام ہائے معاشی کو سامنے رکھ کر اسلامی نظام معاشی کا تقابلی مطالعہ کیا جائے اور اسلامی نظامِ معاشی کو ایک قابلِ عمل مرتب شکل میں دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔"

قرآن پاک: "قرآن ہدایت ہے۔ قرآن نصیحت ہے۔ قرآن نور ہے۔ قرآن فرقان ہے۔ قرآن دلوں کی بیماری کے لئے شفا ہے۔ نیکوکاروں کے لئے بشیر ہے۔

بدکاروں کے لئے نذیر ہے۔ قرآن کے تمام مقاصد و منشاء قیام قیامت تک پورے نہیں ہو سکتے۔ اگر وہ طاق کی زینت بنا رہا۔ قرآن کو مسلم برہمنوں کا گروہ اپنی دکانداری چمکانے کے لئے استعمال کر رہا ہے۔ ان کی مساعی سے قرآن ہندوؤں کا گائتری منتر بن کر رہ جائے گا۔"

پاکستان: "سُن لو اور آگاہ ہو جاؤ۔ جس سیاست کی بنیاد کتاب اللہ اور سُنت رسولؐ اللہ پر نہیں وہ شیطانی سیاست ہے۔"

"ہم ناپاکیوں کا مرکز بن کر جھوٹ کو اپنا شعار بنا کر مکر و فریب میں مبتلا ہو کر ظلم و استبداد کو برداشت کر کے کس منہ سے دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ہم پاک ہیں۔

"پاکستان میں رہنے کے لئے پاک بننے کی ضرورت ہے اور بغیر پاک بنے پاکستان کا حصول بیکار ہے۔ یاد رکھو جب تک سپہ سالار پاک نہ ہوں سپاہی پاک نہیں ہو سکتے"

آزادی: رسوائی سرِ بازار چاہتی ہے ہنگامۂ دار و رسن چاہتی ہے شورشِ طوق اور سلاسل چاہتی ہے اور وہ ہم سے ہماری جان طلب کرتی ہے۔"

"اسلام پردہ عبوری دور پھر آگیا ہے جبکہ تمام مسائل سے قطع نظر کر کے مَنْ قَالَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فَدَخَلَ الْجَنَّۃَ کے اعلان کی ضرورت ہے۔ شیعت و سُنّیت، بدعت و وہابیت، احمدیت و مہدویت سب زمانۂ امن کے لمحاتِ فرصت کی پیداوار ہیں۔ آج جبکہ خانۂ اسلام کے اطراف بارود بچھی ہوئی ہے اور شعلۂ کفر اس کو بھسم کرنے کی تیاری کر رہا ہے میں کافی سمجھتا ہوں کہ لوگ سب کچھ چھوڑ کر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پر جمع ہو جائیں۔ مسلمان اپنی زندگی کے مکی دور سے گزر رہا ہے۔ اس کو ہرگز مناقشات میں نہ الجھنا چاہیئے اور فی الحال اپنی ساری قوتوں کو وقفِ تنظیم کر دینا چاہیئے۔"

مسلمانو! وہ تصفیے جو جوش کے عالم میں یا دوسروں کی تقلید میں کر دیئے جاتے ہیں بسا اوقات آنی اور اس لئے فانی ہوتے ہیں۔ آج ہمیں ان کی ضرورت نہیں ہے جو شجرِ ملت پر پھول بنکر چمکنا اور پھل بن کر کام و دہن کو شیریں کرنا چاہتے

ہوں ہمیں تو ان کی ضرورت ہے جو کھاد بن کر زمین میں جذب اور جڑوں کو مضبوط کرنے کے لئے تیار ہوں۔

۲۵ رجون ۱۹۴۴ء کی صبح کو وہ حسب معمول ایک گھنٹہ تک خطوط لکھواتے رہے اس سے فارغ ہو کر وہ لڑکیوں کے ایک مدرسے "مدرسۂ عربیہ نسواں" کے جلسے میں شریک ہوئے۔ جہاں ایک مختصر سی تقریر کی۔ واپسی کے بعد اپنی بیگم کیساتھ دوپہر کا کھانا کھایا۔ کچھ دیر آرام کیا اور شام کو بیت الامت' میں درس اقبال کے آخری جلسہ سے خطاب کرنے کے بعد اپنے ایک دوست جسٹس ہاشم علی کے گھر (بنجارہ ہل) دعوت میں شرکت کے لئے پہنچے۔ میزبان کے گھر میں اور بھی لوگ جمع تھے۔ نواب صاحب مہمانوں کے ساتھ بیٹھ گئے۔ نوکر نے ان کے سامنے حقہ لاکر رکھا۔ نواب صاحب نے حقے کا ایک ہی کش لیا تھا کہ بیہوش ہو گئے اور تھوڑی دیر میں انتقال کر گئے۔ وفات کے وقت ان کی عمر انتالیس برس تھی۔ مگر اس عمر میں انھوں نے مجاہدِ آزادی کی حیثیت سے لافانی شہرت اختیار کر لی تھی۔ (جی۔ الانہ)

" نواب صاحب کی میت کے جلوس میں اتنے لوگ تھے کہ ایسا مجمع حیدرآباد میں کبھی نظر نہ آیا تھا۔ میت میں ہر مذہب اور عقیدہ کے لوگ شریک تھے۔ جلوس کے میلوں لمبے راستے کے اطراف آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے۔ گھروں کی چھتوں پر اور دریچوں میں ہر چہرہ اداس اور غمناک نظر آتا تھا۔ (میر لائق علی)

نواب صاحب اولاد سے محروم تھے مگر غریب طبقے کے اکثر بچوں کو انھوں نے اپنی پرورش میں لے لیا تھا۔ دسترخوان پر پندرہ بیس بچے ان کے ساتھ بیٹھتے اور وہ سب کے ساتھ یکساں شفقت اور محبت کا برتاؤ کرتے بچے بھی اُن سے اس قدر مانوس تھے کہ ان ہی کو اپنا باپ سمجھتے۔

انسانی روپ میں وہ ایک نعمتِ خداداد تھے۔ ان کا سراپا آج بھی چشمِ تصور کے سامنے ہے۔ چہرہ کتابی، رنگ شہابی، آنکھیں عنابی۔ سرو جیسا قد دراز، علم وحلم کی نعمت سے سرفراز چلیں تو سارے زمانہ کو ساتھ لیں۔ بولیں تو سروشِ

غیبی کومات کریں۔ نظر اٹھائیں تو ان گنت قلوب گرویدہ، حکم دیں تو ہزاروں سر کٹنے کے لئے آمادہ۔ دل نوازی اُن کی حکمت اور بے نیازی اُن کی قوت تھی۔

"میں نے سُنا تھا کہ وہ مہدوی فرقے سے تعلق رکھتے ہیں مگر ان کی کسی ادا میں فرقہ واریت نہ تھی۔ ایک بار ان کا میلاد نبویؐ کا بیان بھی میں نے سنا ہے جس میں ایک جملہ بھی ایسا نہ تھا جس سے محسوس ہو کہ وہ عامۃ المسلمین سے الگ کوئی عقیدہ رکھتے ہیں۔"

(مولانا جمال میاں فرنگی محلی)

خواجہ حسن نظامی مرحوم لکھتے ہیں کہ "نواب بہادر یار جنگ اپنے عقائد خاندانی (مہدویت) کے بہت پکے پیرو ہیں لیکن مسلمانوں کے سب فرقوں کی بہتری اور بھلائی کا احساس رکھتے ہیں اور اس لحاظ سے وہ پورے مسلم نیشنلسٹ ہیں اور پورے عالمگیر اخوتِ اسلام کا استحکام ان کا بہت محبوب ہے۔"

(حیدرآباد دکن نواب ابن بطوطہ کا سفرنامہ عالم اسلام ۱۹۳۱ء ص ۱)

عالم اسلام جس کے لئے رو رہا ہو اس کا وطن رو رہا ہو۔ سی پی میں جس کے ماتم کی صف بچھائی گئی اور یوپی میں جس پر آنسو بہائے گئے، اُن جس کیلئے مدارس چیخ رہا ہے، بمبئی والے دھاڑیں مار رہے ہیں۔ بہار کے باشندے کپڑے پھاڑ رہے ہیں سندھیوں میں جس کا نوحہ پڑھا جا رہا ہے، پنجاب میں غم کا طوفان جس کے بعد اٹھا اور کشمیر اور سرحد والوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہوا۔" یہ صاحبِ سیف و قلم محمد بہادر (یار جنگ) خان تھے جو اپنے خلوص خلق، خدمت اور خدا خوفی کی وجہ سے آج بھی زندہ ہیں اور جنوبی ایشیا کی ملتِ اسلامیہ کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رہیں گے اور ان کی سچائی، بیباکی، خدا ترسی اور اعلیٰ کردار شخصی زندگی اور قومی جدوجہد میں ہماری رہنمائی کریں گے۔

نواب بہادر یار جنگؒ کے متعلق قائدِ اعظم محمد علی جناح نے فرمایا تھا کہ:

"نواب بہادر یار جنگ میرے عزیز دوست تھے اور ان کی موت میرے لئے ایک جانگداز صدمہ ہے۔ نواب مرحوم مومنِ صادق تھے اور اسلام کے بہت بڑے داعی۔ انھوں نے اسلام اور مسلمانانِ ہند کی زریں خدمات انجام دیں۔ تاریخ ان کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ وہ ہمارے لئے قدرت کا بیش بہا عطیہ تھے۔"

تقاریر سے اقتباسات

فی البدیہہ تقاریر کے وہ حصے جو ضبطِ تحریر میں آگئے ہیں ان میں سے چند درج ذیل ہیں :

باعمل مقبول

ساری تعریف اس خدائے قیوم و قدیر کو سزاوار ہے جس کا تخت عظمت و جلال ہمیشہ سے آراستہ ہے اور ہمیشہ آراستہ رہے گا جس کی بارگاہِ عزت والجبروت میں ان ہی افراد و ملل نے جگہ پائی جن کا عمل صالح تھا۔ وہ دہتکار دیئے گئے جو کچھ نہ کر کے بہت کچھ حاصل کرنے کے متمنی تھے۔

بہار آئے گی :

میرے آشیانے پر بجلی چمک رہی ہے۔ اس کو جل جانے دو یہ تمہارے لئے مبارک فال ہے۔ یہی ابر جو میرے آشیانے کو خاکستر بنا دے گا۔ تمہارے گلشنِ حیات پر امرت برسائے گا اور جلد اس گلستان میں بہار آئے گی۔ میں اپنے اجڑے آشیانے کی خاکستر پر بیٹھا اس بہار کا لطف اٹھاؤں گا۔ دیکھو ہوائیں چل رہی ہیں سیاہ بادل چھٹیں گے اور جلد چھٹیں گے امید کا آفتاب چمکے گا دنیا دیکھے گی کہ حق غالب ہو رہا ہے۔ حق غالب ہونے ہی کیلئے ہے اور باطل کے پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کی طرح اڑتے ہوئے نظر آئیں گے۔"

مومن عہد کرتا ہے تو پورا کرتا ہے :

"وہ عہد جو جوش کے عالم میں یا دوستوں کی تقلید میں کئے جاتے ہیں۔ وہ آنی اس لئے فانی ہوتے ہیں۔ میں نے جس عزم کا اظہار کیا ہے۔ وہ میری سال کی شبانہ روز فکر و تعمق کا نتیجہ ہے۔ میں نے اس کی تیاری کی اور عمل بھی شروع کر دیا۔ جاؤ اپنی بیویوں کے تابناک چہرے اور اپنے بچوں کی مسکراہٹ کو سامنے رکھ کر فیصلہ

کرو اپنی تجارت اور تمام ذرائع معاش کی مکمل تباہی کا تصور کر کے فیصلہ کرو مومن جب عہد کرتا ہے تو اس پر قائم رہتا ہے۔

جان اور مال اللہ کے ہیں !

"مجھ سے کہا نہیں بلکہ کہلوایا جا رہا ہے کہ میں بحیثیت ایک جاگیردار و معاشدار سیاسی تنظیم میں حصہ نہ لوں۔ خواہ وہ اندرونِ ملک ہو خواہ بیرونِ ملک مجھ سے بڑھ کر خود غرض اور ملت فروش کون ہوگا اگر ایسے وقت میں جب کہ ملتِ اسلامیہ کی کشتی بیچ منجھدار میں تھپیڑے کھا رہی ہو۔ میں اس کے چپو کسی اور بھائی کے ہاتھ میں تھما کر الگ ہو جاؤں مجھے دھمکایا جا رہا ہے کہ میری جاگیرات اور خطابات چھین لئے جائیں گے۔ مجھے ڈرایا جا رہا ہے کہ مجھے شہر بدر کر دیا جائے گا۔ جہاں تک جاگیرات کا تعلق ہے۔ میں بتلا دینا چاہتا ہوں کہ نہ جان میری ہے اور نہ مال میرا سب اللہ کا ہے۔

اِنَّ صلواتی ونسکی ومحیای ومماتی للہِ رب العالمین :

جب میں پیدا ہوا تھا۔ میرا نام ماں باپ نے محمد بہادر خاں رکھا اور آپ کی عنایت سے اٹھارہ سال سے "نواب بہادر یار جنگ" کے خطاب سے پکارا جا رہا ہوں اور محمد کی وابستگی سے محروم کر دیا گیا ہوں۔ بڑا اچھا ہوا کہ وہ محبوب و متبرک نام پھر سے میرے ساتھ ہے۔ میری جائیداد کی ضبطی کا جہاں تک تعلق ہے اس سلسلے میں میری عرض ہے کہ اچھا ہوا کہ دیوانۂ کوئے محمد جیب و داماں کی فکر سے آزاد ہو رہا ہے۔ شہر بدر کی دھمکی کا جہاں تک تعلق ہے میں یہ عرض کر سکتا ہوں کہ "ملک خدا تنگ نیست پائے مرا لنگ نیست" دھمکیوں کے ساتھ تحریص سے بھی کام لیا جا رہا ہے۔ مجھے اپنے مشن سے باز رکھنے، وزارت کا لالچ دیا جا رہا ہے۔ اس سلسلے میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں کرسی وزارت پر بیٹھ کر مہماتِ سلطنت پر غور کرنے کے لئے نہیں پیدا کیا گیا ہوں۔

اقبال کے الفاظ میں شاہین زادہ ہوں۔ میرا مقام صرف دامانِ کوہ و وسعتِ صحرا ہے۔ میں وہ مزدور ہوں۔ جو راستہ صاف کرتا ہے۔ تاکہ ملت اسلامیہ کی گاڑی

منزلِ مقصود تک پہنچ جائے۔ میرے لئے یہی فخر کافی ہے کہ وابستۂ دامنِ محمدؐ ہوں تخویف و تحریض سے مجھے متاثر و متوجہ کرنے کے سعی کرنے والوں سے میں آخر میں صرف اس قدر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ؎

بیا جاناں تماشہ کن کہ درانبوہِ جانبازاں
بصد سامانِ رسوائی سرِ بازار می رقصم

ذرا بت۔ جاگیر خطاب میری منزلِ مقصود نہیں ہیں۔ میری تمنا تو اقبال کے ایک شعر میں ہے۔ ؎

در دستِ جنونِ من جبریلِ زبوں صیدے
یزداں بکمند آور اے ہمتِ مردانہ

محرومیٔ فکرِ صحیح

مسلمانو! یاد رکھو قوموں کی زندگی میں لڑ جانا اور مر جانا کمال نہیں۔ زندہ رہنا اور دوسروں کے لئے زندگی کا سامان کرنا کمال ہے۔ مسلمانو! یاد رکھو برق و باراں سے زیادہ سخت خدا کا وہ عذاب ہے جو قوموں پر محرومیٔ فکرِ صحیح کی صورت میں نازل ہوتا ہے۔ خدا اس عذاب سے محفوظ رکھے۔

کشتِ ویران :

" میں بقولِ علامہ اقبال اپنی کشتِ ویراں سے ناامید نہیں ہوں حوادث کے ابر سروں پر منڈلا رہے ہیں۔ فتنوں کے طوفان امنڈ امنڈ کر آ رہے ہیں۔ اس کشتِ ویراں کے نم ہونے میں بہت تھوڑی کسر دکھائی دے رہی ہے اور مجھے یقین ہے کہ اس کشتِ ویراں کی سرسبزی ایک مرتبہ پھر دنیا کو حیران کر دے گی۔"

فتحمندی کی ضمانت

" دوستو! کثرتِ تعداد میں نہیں بلکہ ایمان و تنظیم میں قوموں کی فتحمندی کا راز پوشیدہ ہے۔ دنیا کے کسی فاتح کا نام نہ لے سکو گے جس نے مفتوح قوم کے مقابلے میں اس کی تعداد سے زیادہ فوجیں لے کر چڑھائی کی ہو۔

اصل چیز قوتِ ایمان اور تنظیم ہے۔ اگر تمہارے بعض ساتھی اس میدانِ عمل و ابتلا میں ثابت قدم نہ رہ سکے تو فکر نہ کرو۔ دنیا میں آئے دن ایسا ہوتا ہی رہتا ہے۔ آسمان سے لاکھوں کروڑوں قطرے برستے ہیں۔ لیکن ان میں سے ہر ایک موتی نہیں ہوتا دامنِ کوہ میں لاتعداد، لاتحصیٰ سنگریزے بکھرے پڑے ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک اس قابل نہیں کہ کوہِ نور کی طرح زینتِ تاجِ خسرو بن سکے۔

دوستو اور عزیزو! امتحانِ عمل میں آنے کے بعد خالص سونا ہی سلامت نکل سکتا ہے۔ میل کچیل سونے کے ساتھ آزمائش میں داخل ہوتے تو ہیں لیکن تابِ سوختن و تپیدن نہیں لا سکتے۔ وہ فنا ہو جاتے ہیں۔

مسلم برہمنوں کا گروہ

"مجھے معاف فرمائیے قرآن نہ اس لئے آیا تھا کہ اُسے زینتِ طاق بنا دیا جائے نہ اس کا ہونا اس طرح کی دلیل ہو سکتا ہے کہ قرآن ہدایت ہے، قرآن نصیحت ہے۔ قرآن نور ہے۔ قرآن فرقان ہے۔ حق و باطل میں فرق کرنے والا قرآن دلوں کی بیماری کے لئے شفا ہے۔ نیکوکاروں کے لئے بشیر ہے اور بدکاروں کے لئے نذیر ہے اس کے تمام مقاصد و منشا، نزولِ قیامت تک پورے نہیں ہو سکتے، اگر وہ غلافوں میں محفوظ اور طاقوں کی زینت بنا رہا۔

مسلم برہمنوں کا گروہ کا گروہ اپنی دوکانداری کو چمکانے۔ عامۃ المسلمین کو یہ باور کرانے کی کوشش کر رہا ہے کہ قرآن کو سمجھنا مشکل ہے بلکہ محال ہے۔ یہ تو صرف انہی کا حق ہے، جو مسندِ ارشاد پر بیٹھے ہیں۔ اس طرح ان کی مساعی سے قرآن ہندوؤں کا گائتری منتر بن کر رہ گیا ہے۔

شعور و فہم کی گنجائش

سیاسی اور اجتماعی اداروں کی زندگی میں وہی دور سب سے زیادہ صبر آزما ہے۔ جب کہ غلط فہمیاں پیدا کی جا رہی ہوں۔ اپنوں کو غیر بنایا جا رہا ہو۔ افترا پردازیوں کے شرارے اُٹھ رہے ہوں۔ آشیانوں کو آگ لگ رہی ہو اور وہی پتے ہوا دے رہے ہوں۔ جن پر تکیہ

کیا گیا تھا یہی وقت ملت کے شعور و فہم کی آزمائش کا وقت ہوتا ہے۔"

بنیاد کے پتھر:

" آج ملت کو ان افراد کی ضرورت نہیں جو شجر ملت پر پھول بنکر چمکنا چاہتے ہیں اور پھل بن کر کام و دہن کی لذت بننا چاہتے ہیں۔ ہمیں ان افراد کی ضرورت ہے جو کھاد بن کر زمین میں جذب ہو جائیں۔ شجر ملت کی جڑوں کو مضبوط بنائیں۔ مٹی اور پانی میں مل کر رنگ برنگ کے پھول کھلائیں۔ خود فنا ہوں اور ثمر ہائے ملت میں لذت و شیرینی پیدا کریں۔ ہم کو ان افراد کی ضرورت نہیں جو کاخ و ایوان کے نقش و نگار بن کر چشم نظارہ کو خیرہ کرنا چاہتے ہیں۔ ملت کو ان بنیاد کے پتھروں کی ضرورت ہے جو ہمیشہ کے لئے زیر زمین دفن ہو کر استحکام عمارت کی ضمانت دے سکیں ؎

ایسی کوئی دنیا نہیں افلاک کے نیچے
بے معرکہ ہاتھ آئے جہاں تختِ جم و کے

جب تک سپہ سالار پاک نہ ہوں

" سن لو اور آگاہ ہو جاؤ کہ جس سیاست کی بنیاد کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ پر نہیں وہ شیطانی سیاست ہے۔

دوستو اور عزیزو جسمانی ناپاکی اور گندگی دور ہو سکتی ہے۔ لیکن ذہن و فکر کی اور قول و عمل کی ناپاکی وہ گندگی ہے جس کے دھونے کے لئے وقت بوقت اللہ جل شانہٗ نے انبیاء جیسی ہستیاں پیدا کیں۔

ہم ان ناپاکیوں کا مرکز بن کر جھوٹ کو اپنا شعار بنا کر، مکر و فریب میں مبتلا رہ کر ظلم و استبداد کو برداشت کر کے کس منہ سے دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ہم پاک ہیں ان تمام گندگیوں اور ناپاکیوں سے پاک ہوئے بغیر اگر ہندوستان کے دونوں شمالی گوشوں میں خود مختار ریاستیں مل گئیں تو کیا وہ پاکستان کہلانے کی مستحق ہوں گی۔؟

پاکستان میں رہنے کے لئے پاک بننے کی ضرورت ہے اور بغیر پاک بنے پاکستان کا حصول بیکار ہے۔ یاد رکھو یہ ایک حقیقت ہے کہ جب تک سپہ سالار پاک نہ ہوں سپاہی پاک نہیں ہو سکتے۔"

قائد اور ملت

"ہر جماعت کا قائد بجز ان بندگانِ حق کے جو انقلابِ ذہن و فکر کے لئے مامور ہوتے ہیں، اپنی جماعت کی ذہنی و فکری کیفیات کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ مجھے یا آپ کو اس قائد کی ذہنیت بدلنی ہے تو ملت کی ذہنیت کو بدلنا ہوگا۔ قائدین اتنے طاقتور نہیں کہ ملت کے عام رجحان کا مقابلہ کر سکیں۔"

آزادی ہنگامۂ دار و رسن چاہتی ہے:

"قوموں کی آزادی بازار کا سودا نہیں اور نمائش کی جنس نہیں کہ چند ٹکے جیب میں ڈال کر گئے اور خرید کر لائے۔ یہ وہ جنس بے بہا ہے جس کی قیمت ہماری نسلہا نسل کی جمع کی ہوئی دولت۔ ہماری اعتباری شان و شوکت، ہمارا آرام، ہمارا سکون اور چین بھی نہیں ہو سکتے۔ آزادی رسوائی سرِ بازار چاہتی ہے۔ ہنگامۂ دار و رسن چاہتی ہے۔ شورشِ طوق و سلاسل چاہتی ہے اور وہ جنس بے بہا طلب کرتی ہے جو ہمیں سب سے زیادہ عزیز ہے۔ یعنی ہماری جان۔"

روٹی کا مسئلہ

جس مسئلہ کی طرف آپ کی توجہ مبذول کروانا چاہتا ہوں وہ مسلمانوں کے معاشی مستقبل کا سوال ہے۔ اس وقت ساری دنیا معاشی کش مکش میں مبتلا ہے۔ اس نصف صدی کے اندر اندر دو عالمگیر جنگیں لڑی گئیں۔ ان کے اسباب پر نظر غائر ڈالئے اور ان کا پس منظر تلاش کیجئے تو صرف روٹی نظر آئے گی۔ ہم جب کبھی مسلمانوں کی معاشی حالت سے متعلق گفتگو کرتے ہیں تو چند دردِ ملت سے نا آشنا چند خود پرست اور خود غرض سرمایہ دار، جاگیر دار ہماری نظروں کے سامنے آجاتے ہیں اور ہم ان کو ملت کا خلاصہ سمجھ کر یہ قیاس کر لیتے ہیں کہ مسلمان قوم آسودہ حال ہے۔ ہمارے دو تہائی بھائی دیہات میں بھوک اور نیم برہنگی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

(خطبہ صدارت چودھواں سالانہ اجلاس اتحاد المسلمین)

ماہنامہ 'نقوش' خطوط نمبر۔ شمارہ ۱۰۹، اپریل مئی ۱۹۶۸ء

نواب بہادر یار جنگؒ کے سات مکتوب

زیر نظر مکاتیب وہ ہیں جو قائد ملّت علیہ الرحمۃ نے مختلف بلدِ اسلامیہ کے سفر کے دوران مولوی سیّد یوسف تصوّر کے توسط سے اپنے تمام احباب کے نام لکھے تھے۔ قائد ملّت نے اپنے مخصوص انداز میں مختلف مقامات اور شخصیات کا تعارف کروایا ہے اور بلادِ اسلامیہ کی سیاسی، معاشی زبوں حالی کا خاکہ پیش کیا ہے۔ ان مکاتیب کی ایک تاریخی حیثیت بھی ہے۔

سیّد اللہ بخش
(سکریٹری نواب بہادر یار جنگؒ)
یکم آذر ۱۳۵۵ ف

بیت المقدس

بروز چہارشنبہ ۱۰ر جون ۱۹۳۱ء ۴ر امرداد ۱۳۴۰ف

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

الحمد للہ خیریت سے ہوں۔ بواسیر نہیں ستا رہی ہے لیکن دادا بھی پریشان کر رہے ہیں معلوم ہوتا ہے خون کچھ خراب ہوگیا ہے بغلی میں دو ایک چھوٹی پھنسیاں بھی ہوگئی ہیں۔ میرا پروگرام جو بلد سے میں مرتب ہوا تھا وہ تو یہ تھا کہ حج و زیارت حرمین سے فارغ ہو کر مصر جاؤں گا اور وہاں سے بیت المقدس۔ یہی سیدھا راستہ بھی تھا لیکن کچھ تو مشیت کو منظور نہ تھا اور کچھ مصریوں کی عجیب و غریب سیاست جس کا ذکر بعد واپسی تفصیل سے کروں گا اور لکھوں گا بھی۔ بغرض مصری حکومت نے ایک قانون یہ بنا رکھا ہے کہ جو شخص حج کرے وہ حجاز سے راست مصر نہ آجائے اور نہ حدود مصر میں داخل ہو۔ مجبوراً بیروت کا ٹکٹ لینا پڑا۔ "جہاز بلاتی" نے بھی بہت ستایا۔ جدہ پر ہم کو سوار کرنے کے بعد حاجیوں کے انتظار میں دو روز ٹھہرا رہا۔ اور اس طرح ینبوع پر مدینہ سے واپس ہونے والے شامی حاجیوں کا دو روز انتظار ہوا۔ طور کے قرنطینہ میں ڈاکٹر صاحب نے دو روز روکا اور مرغیوں کی طرح ایک ڈربے میں بند رکھا۔ سویز اور پورٹ سعید پر جہاز ٹھہرا لیکن جن سے ادائی فریضہ حج کا قصور سرزد ہوا تھا وہ اترنے کا خیال بھی دل میں نہیں لا سکتے تھے۔ بحر متوسط میں تموج تھا جہاز رینگنے لگا اور جدے سے روانگی کے بارہویں روز بیروت پہونچے یہاں پر ہم کو نہلایا اور ہمارے سامان کو بھپارہ دیا گیا۔ ایک روز قرنطینہ میں بھی ٹھہرنا پڑا اور دوسرے روز آزادی نصیب ہوئی۔ بیروت میں لوکندہ ہوٹل القصر الملکی میں مقیم ہوتے دو روز بیروت کی سیر کی۔ جو شام کی سب سے بڑی بندرگاہ ہے۔ مغربی تمدن سے پوری بہرہ اندوز چوڑی اور کشادہ سیمنٹ کی سڑکیں اونچے اونچے مغربی وضع کے چار چار منزلہ مکان ہر قدم پر ہوٹل سجے ہوتے دوکان اخبارات کی کثرت وغیرہ وغیرہ جس کی تفصیل بعد واپسی بیان ہوگی۔ قدرت نے بیروت بلکہ شام کو اپنی فیاضیوں سے مناظر و سرسبزی سے مالا مال

کر دیا ہے۔ نہریں بہتی ہیں۔ آبشار گرتے ہیں۔ میوے اُگتے ہیں اور صنوبر سے گہری ہوتی پہاڑیوں کو صرف دیکھ کر جسم میں خون بڑھنے لگتا ہے۔ امریکن مشن کی عظیم الشان یونیورسٹی دیکھی جو ترقی کرنے والوں کا بہترین کارنامہ اور خواب غفلت کے متوالوں کے لیے تازیانہ عبرت ہے۔ گزشتہ ہفتے کو موٹر پر بیروت سے بیت المقدس چلے۔ صبح نکلے تھے شام کو پہنچ گئے۔ درمیانی فاصلہ ۲۵۰ میل سے زیادہ ہے۔ سیمنٹ کی پختہ سڑک کھیتوں کے درمیان باغات کے کنارے سمندر کے سواحل، چٹیل میدان، پہاڑوں کی چوٹیوں، دامنوں اور وادیوں اور یہود کی نوآبادیوں کے قریب سے گزری ہے۔ مناظر قابلِ دید، اور ناممکن البیان ہیں۔ انبیاء کی اس سرزمین پر پہونچے آج پانچواں دن ہے۔ بوڑھے ابراہیمؑ کے وعظ، داؤدؑ کے نغمے اور یعقوبؑ فرزند گم کردہ کی آہ وزاری کانوں میں گونجنے لگی ہے۔ اشوریوں کا ظلم، مصریوں کا قتلِ عام۔ رومیوں کا جلال وجبروت، مسلمانوں کی رواداری اور حسن سلوک ہر قدم پر نظر آرہا ہے۔ سلیمان کی عظمت (CITY of DAVID) داؤد کے شہر کے ہر ایک پتھر سے ظاہر ہو رہی ہے۔ غرض آنکھیں دیکھ رہی ہیں کان سن رہے ہیں قلب سوچ رہا ہے۔ اور ہاتھ لکھ رہے ہیں۔ بعد واپسی انشاء اللہ یہ سب واقعات سناؤں گا اور اگر آپ کے دل میں درد ہے تو اپنے ساتھ آپ کو بھی رُلاؤں گا۔ یہ سُنکر تعجب ہوگا کہ یہاں قدس میں بجائے گرمی کے ایسی سردی ہے جیسی ہمارے ہاں آذر و دے میں ہوتی ہے۔ میرے ساتھ گرم کپڑے نہیں تھے خریدنے پڑے دو تین دن یہاں اور رہوں اور بیت المقدس کی خاک چھان رہا ہوں۔ حضرت ابراہیمؑ اسحاقؑ۔ یعقوبؑ۔ داؤدؑ۔ سلیمانؑ۔ اور یوسفؑ کی زیارت کا شرف حاصل ہو چکا ہے آج حضرت موسیٰؑ اور دوسرے انبیاء کی بارگاہ پر حاضر ہوں گا اور اگر خدا نے چاہا تو دو تین روز بعد مصر کا قصد کروں گا۔ ممکن ہے مولانا سید شہاب الدین صاحب اور حاجی محمد علی خاں صاحب وغیرہ کا ساتھ یہاں سے چھوٹ جائے اور وہ شام و عراق کا قصد کریں۔ وہ میرے ساتھ مصر اور استانبول نہیں آنا چاہتے ہیں۔ والسلام

دور از وطن

بہادر یار جنگ

قسطنطنیہ

۱۲ر شہریور ۱۳۴۰ھ ۱۹ر جولائی ۱۹۳۱ء یکشنبہ

برادرانِ عزیز و محبان مکرم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ غالباً مصر سے میں نے اپنا ایک عام خط لکھا تھا جس سے بھائیوں کو میرے سفر کی مختصر معلومات ہوتی رہیں۔ مصر سے قدس واپس آیا دو روز رہ کر لبنان کی پہاڑیوں پر چڑھ گیا اور وہاں قدرت کی گلکاریوں کے نظارے دیکھے۔ پھر دمشق آیا۔ سلاطین بنی اُمیہ کا پایہ تخت انبیاء علیہم السلام کا مسکن صحابائے رسول کا میدان جنگ۔ قتل حسینؓ کے منصوبوں کا مرکز وہ مرکز جہاں پہونچکر خلافتِ رسولؐ سلطنت سے بدل گئی۔ حضرت بلال حبشیؓ۔ حضرت ابی ابن کعبؓ۔ حضرت زینب بنتِ فاطمہؓ۔ حضرت امیر معاویہؓ۔ حضرت عبید اللہ ابن الجراح۔ حضرت سعد ابی ابن وقاص۔ حضرت ام سلمہ ام حبیبہؓ (ازواجِ رسولؐ) حضرت صہیب رومیؓ۔ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ۔ حضرت محمد ابن حنیفہؓ وغیرہ وغیرہ کی زیارت اور نہر بانیاس امیر سعید بن علی الجزائری۔ شیخ تاج الدین رئیس الوزراء محمد علی بک۔ ابن عابد پاشا۔ مولانا بدر الدین محدث دمشق شیخ عبد الرحیم مشائخ سلسلہ شاذلیہ وغیرہ وغیرہ اکابر و علماء کی ملاقات سے مستفید ہوا۔ دعوتیں کھائیں۔ دمر کی نہروں کے کنارے شربت کے دور اُڑا کر حافظ کے کنارے آبِ رکن بادا در گلگشت مصلی کی ہنسی اڑائی۔ مسلمانوں کی تیرہ سو سالہ راجدھانی پر فرانسیسیوں کا غلبہ دیکھ کر دوڑے ہوئے سلطان صلاح الدین ایوبی کی قبر پر گئے اور رو رو کر پوچھا۔ کیا یہی زمین ہے جس کے لیے تم نے خون کی ندیاں بہائی تھیں؟ سارے یورپ کے متفقہ سیلاب کا انگلستان۔ فرانس۔ جرمنی اور اٹلی کی متحدہ فوجوں کا تن تنہا مقابلہ کیا تھا؟ کیا یہ اعتقاد غلط ہے کہ روحیں سنتی اور جانتی ہیں اگر سنتی اور جانتی ہیں تو کیا بیت المقدس کو یہودیوں کا وطن اور شام کو فرانسیسیوں

کی آماج گاہ دیکھ کر عرش کے کنگورے نہیں ہلا سکتیں؟" کانوں نے کچھ سننا شروع کیا قلب نے کچھ محسوس کیا آواز شاید یہی تھی کہ بیوقوف ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

بعلبک کے دو ہزار برس قبل والے رومی آثار دیکھے اور ان کھنڈروں میں کھڑے ہو کر (فانظروا کیف کان عاقبت الذین من قبلکم) کی تعمیل کا اعلان کر دیا لیکن دل نے کیا حاصل کیا اور باہر آنے کے بعد کتنا باقی رہا اس کی کچھ نہ پوچھیے "حمص" بہت قدیم شہر ہے اس کے مسلمانوں کی دینداری دیکھ کر دل سے دعا نکلی کہ خدا ان کی چھاؤں ساری دنیا کے مسلمانوں پر ڈالے (دکھنی محاورہ) استعمال کیا ہے، حماء کے مسلمانوں نے دعوت بھی دی تھی لیکن ٹھہر نہ سکا حلب جس کا نام ہندوستان اور خصوصاً حیدرآبادی مسلمان حلبی آئینہ (بہ تشدید بار) کی نسبت سے جانتے ہیں عربی ممالک کے شمال میں مشرق و مغرب کا اتصالی مقام ہے یہاں پہونچ کر ہندوستان کی گرمیوں کا لطف آنے لگا تین دن ٹھہرا امیر مخیم (ایک زبردست شیخ قبائل عرب جو اپنے قبائل پر تیمور و چنگیز کے اختیارات آج بھی رکھتا ہے) ہمارے ہم ہوٹل تھے۔ بنی بیک والی حلب، عبدالجلیل الدارء مدیر الاوقاف، دکتور عبدالرحمن الکیالی عبدالقادر البسیبی وغیرہ سے ملاقاتیں ہوئیں جب ۱۵ جولائی کو حلب سے چلے ہیں تو ان سب نے اسٹیشن پر پہونچایا، حلب سے قسطنطنیہ تک ہر دوسرے روز ریل چلتی ہے جو دو رات ایک دن مسلسل چل کر استانبول پہنچا دیتی ہے ہم نے سکنڈ کلاس میں ریل کا اور فرسٹ کلاس سلیپنگ کار کا اور پھر پانچ وقت کے کھانے کا ٹکٹ ایک دم تھامس کوک کے پاس سے تقریباً ایک سو کلدار میں خریدا اور دو رات سوتے اور ایک دن جاگتے ایشیا کوچک کے قدرتی مناظر کا لطف اٹھاتے پرانے ترکی میں نئی تہذیب کی بہاریں دیکھتے جمعہ

کے دن ٹھیک اس وقت جب حیدرآباد میں پُرانی حویلی کی توپ چلتی ہے۔ قسطنطنیہ پہنچ گئے۔ اس استنبول میں پہنچ گئے جس کے فتح کے لیے دس دفعہ عربوں نے اور سات دفعہ ترکوں نے حملے کیے جس کی دیواروں کے نیچے صحابائے رسول حضرت ابوایوب انصاریؓ کو دفن کر کے اپنے آئندہ قبضہ کرنے کا اعلان کر گئے تھے جس کو قسطنطین اعظم نے اٹلی والے روم کے مقابلے میں تعمیر کیا تھا اور جس کو محمد فاتح نے پندرھویں صدی عیسوی میں فتح کیا جس کے قصر دولہ باغیچے میں بیٹھ کر عبدالحمید ثانی پان اسلامزم کے منصوبے سوچا کرتا تھا اور جس کے قصر یلدز سے جمہوریہ ترکیہ نے اعلان کیا کہ حکومت کا کوئی مذہب نہیں ہے اور جس کا تیسرا قصر سلاطین آل عثمان کے آثار و جواہر کی نمائش گاہ بنا ہوا ہے جس کی مسجد آیا صوفیہ مسلمانوں کی عظمت کی گواہ اور اس کے مینارے ان کی رفعتِ شان کے شاہد ہیں (معاف کیجیے آپ کا بہت وقت لے لیا) غرض استنبول کے یورپ والے جانب پیرا کے ایک سب سے بڑے ہوٹل پیرا پلاس میں ہوں۔ ماندور خاں شاید کل یہاں پہونچیں گے اور مجھ سے ملیں گے کچھ دن میرے ساتھ رہیں گے۔ انھوں نے مجھے بہت کچھ لکھا تھا کہ اس سفر میں یورپ بھی جاؤں لیکن میں نے انکار کر دیا تھا۔ کل شام کو دریائے باسفورس اور سمندر مارمورا کے مغربی کنارے پر کھڑے ہوئے خیال آیا کہ کس کو مجالِ سخن ہے کہ یہ کہے کہ میں نے یورپ کا سفر نہیں کیا یا تو اسے قسطنطنیہ سے یورپ کو خارج کرنا پڑے گا یا ماننا پڑے گا کہ میں یورپ کا سیاح بھی ہوں۔ اور سچ پوچھیے تو یورپ کے دوسرے شہروں سے قسطنطنیہ میں فرق بھی کیا ہے۔ اب تک میں نے سوائے مساجد کے بلند میناروں اور سلاطین آل عثمان کے کھنڈروں کے استنبول میں مشرقیت کی کوئی علامت نہیں پائی ہے۔ میری ترکی ٹوپی ترکی کے دارالسلطنت میں ترکوں کی نگاہوں میں ایک تماشہ بنی ہوئی ہے۔ ہر راستہ چلنے والا اور چلنے والی (جن کے چلنے والوں کی بہ نسبت بازاروں میں کثرت ہے) حیرت کی نگاہوں سے دیکھتی یا دیکھتا ہے کہ یہ مجرم تحریری استنبول کے گلیوں (تو یہ)

ترکوں پر اس آزادی سے کیسے چلتا پھرتا ہے کیونکہ سلطنت ترکیہ جمہوریہ میں ترکی ٹوپی پہننا ۳ ماہ کی قید کو اپنے اوپر لازمی کر لینا ہے، ابھی استنبول میں دو دن ہوئے ہیں کوشش کر رہا ہوں کہ ترکوں کے متعلق صحیح اور مفصل معلومات لے کر آؤں۔ انشاء اللہ مصطفےٰ کمال پاشا اور وزراء سلطنت سے ملاقات کے اسباب پیدا ہو جائیں گے۔

نوٹ:۔ یہ پرچہ تمام احباب و پرسان حال کی خدمت میں پہنچا دیا جائے اور پڑھنے والا جب میرے دوسرے عنایت فرما سے ملے تو میرا دلی سلام پہنچا دے۔ اگر ربیع الاول کی مجالس میلاد کسی سے خالی نظر آئیں تو اس کی بصحت و عافیت واپسی کی دعا کر لیجیے

والسلام بہادر یار جنگ

استانبول

یکم ستمبر ۱۹۳۱ء بروز ۲۵ مہر ۱۳۴۰ف

برادران عزیز مجبان محترم وامت محبتکم وزادت مودتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ دو ہفتے سے خلفاء آل عثمان کے پایۂ تخت ہوں جواب صرف استنبول ہے۔ مصر اور شام کی مختصر کیفیت لکھ دی تھی۔ ترکی کی مجمل حالت بھی سن لیجیے! اور تفصیل کیلئے میری واپسی کا انتظار فرمائیے وہ سلطنت جس کے حدود مشرق میں خلیج فارس اور دریائے سندھ شمال میں قفقاز و روس۔ جنوب میں بحر احمر و مصر شمال میں آسٹریا و فرانس ہوا کرتے تھے اب وہ دنیا کے نقشے پر صرف ایشیائے کوچک پر ترکی جمہوریہ کے نام سے باقی ہے۔ بیسویں صدی کی ابتدا اور انیسویں صدی کے اواخر میں اس نے کچھ تو خود اپنے لیے اور کچھ صرف دوسروں کی محبت میں جو لڑائیاں لڑیں اس نے دست و پا شل کر دیتے ہیں۔

اقتصادی، معاشی اور فوجی ہر حالت کمزور ہے لیکن طبیب اپنی کوششوں میں

مشغول ہیں اور توقع ہے کہ تھوڑے دنوں میں روح ستیاناس کر کے جسم ترکی کو کچھ آراستہ کردیں گے۔ آپ ترکی کے ذہنی انقلابات کے متعلق جو کچھ سُنا کرتے تھے اس کا بڑا حصہ صحیح اور کچھ غلط ہے موجودہ ترکی نسل کا بڑا حصہ مسلمان ہے۔ لیکن آئندہ نسل کے اسلام کی کچھ زیادہ توقع نہیں کیونکہ حکومت نے مدراس سے دینی تعلیم اٹھا دی اپنا قانون بدل دیا اور متروکہ وراثت کی تقسیم تک میں سوئٹزرلینڈ کے قانون کی اتباع شروع کردی ہے۔ مذہبی کتب عربی و فارسی رسم الخط میں ہیں اور نوجوان ترکی اپنی زبان لاطینی حروف میں لکھ رہا ہے اور کوئی انتظام نہیں ہے کہ مذہبی کتب کو لاطینی خط میں تبدیل کیا جائے۔ ترکی حکومت نے اعلان کردیا ہے کہ اس کا کوئی مذہب نہیں ہے لیکن اس کے باوجود ابھی ترکی میں مذہب کو دوست رکھنے والوں کی کثرت ہے۔ میرے نوجوان گائیڈ عماد الدین نے کل بڑے مزے کی بات کہی کہ ترکی قوم انقلاب کے ایک طوفان میں بغیر سوچے سمجھے بہی چلی جارہی ہے لیکن جب کبھی مخالف ہوا کا ایک جھونکا بھی چلے گا۔ اندیشہ ہے کہ ردِ عمل کہیں اس سے زیادہ خطرناک نہ ہو۔

قسطنطنیہ عجیب و غریب تاریخی مقام ہے اپنے محل وقوع کے اعتبار سے بے نظیر خوبصورت مناظر اور فرحت بخش سیر گاہیں اس کو قدرت نے عطا کی ہیں میں نے اس کو مخاطب کر کے چند شعر کہے ہیں ان میں سے تین چار نیچے لکھ دیتا ہوں۔

میزبانی جس نے کی تھی سرورِ کونینؐ کی
تیری دیواروں کے نیچے ہے وہ تیرا مہماں

اس شعر میں حضرت ابو ایوبؓ انصاری کی طرف اشارہ ہے جن کا مزارِ اقدس رومیوں کی قدیم دیوار کے قریب واقع ہے جو گولڈن ہارن سے بحر مارمورہ تک فصیل کے طور پر انھوں نے اٹھائی تھی۔

گود میں پل کر بڑھا تو شاہ قسطنطین کے
تجھ میں پوشیدہ ہے بیزنطینوں کی داستاں

تیری رفعت کا پتہ دیتے ہیں مینارے ترے
اور تیری مسجدیں ہیں تیری عظمت کا نشاں
وہ جزیرے جن میں آدم آکے جنت بھول جائیں
اور وہ چشمے جن پہ ہو تسنیم و کوثر کا گماں
ہاں نہ بھولیں گے نہ بھولیں گے نہ بھولیں گے کبھی
وہ جبالِ سبز پوش اور گل بداماں وادیاں

موسم نہایت خوشگوار ہے۔ گرمی ہے لیکن صرف دوپہر میں۔ دن بہت بڑا ہے صبح ساڑھے چار بجے آفتاب نکلتا ہے اور شام کو ساڑھے سات بجے غروب ہوتا ہے اپنے لباس اور ٹوپی کی وجہ سے یورپ زدہ ترکیوں میں تماشا بنا ہوا ہوں۔

آج انگورہ جا رہا ہوں۔ صرف دو روز وہاں رہ کر انشاء اللہ بغداد شریف جاؤں گا تمام احباب کی خدمت میں آداب و تسلیمات اور استدعا کہ جب کسی عنایت فرما سے ملیں میرا سلام پہونچا دیں۔

آپ کا دور افتادہ
بہادر یار جنگ

---

۱۳ اگست ۱۹۳۱ء
بغداد ۶ مہر ۱۳۴۰ف

برادران محترم و عزیزان مکرم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ استنبول سے جس دن آپ کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا تھا اسی روز شام کو وہاں سے روانہ ہو کر دوسرے دن انگورا پہنچا۔ اناطولیہ کے تقریباً وسط میں حدود یورپ سے بہت دور ہٹا ہوا چٹیل اور غیر ذی زرع میدان اور خشک پہاڑیوں سے گھرا ہوا اور دور تک جدید عمارتوں سے پھیلا ہوا،

جو شہر ملے وہ انقرہ (انگورا) ہے قدیم شہر ایک پہاڑی پر یونانیوں کے زمانے قبل مسیح کی ایک فصیل میں گھرا ہوا، تنگ گلیوں۔ غلیظ بازاروں، پست مکانوں اور میلے کچیلے کپڑوں پر ہیاٹ لگائے ہوتے اناطولیوں کے ساتھ ملے گا اور اسی کے دامن میں دور دور تک جدید وسیع سڑکیں سفارِ وول کی کوٹھیاں، وزارتوں کے محکمے، وزراء و امراء کے مکانات، ہوٹل، بنک، تھیٹر، پارلیمنٹ ہوز اور مدارس کی جدید مغربی طرز کی عمارتیں نظر آئیں گی لیکن انگورا ابھی بن رہا ہے۔ اور اس کو قسطنطنیہ بننے کے لیے کئی صدیاں اور ترکیہ جمہوریہ کے شایان شان دارالحکومت بننے کے لیے کئی برس درکار ہیں۔ صرف دو روز انقرہ پیلاس ہوٹل میں ٹھہرا۔ تقریباً پچاس ترکی لیرے یعنی تقریباً پون سو روپے کلدار صرف ہوا (یہ اس لیے لکھا کہ انگورا کی مہنگائی سمجھ میں آجائے) دوشنبہ ۲۷ شہریور کو ۱۲ بجے ریل گاڑی مسکی شہر لے چلی وہاں سے استنبول سے حلب جانے والی گاڑی تبدیل کی چہارشنبہ کی صبح کو چھ بجے اٹھ کر سامان درست کیا اور خوش تھے کہ تقریباً بائیس روز بعد ترکیہ جمہوریہ کا سفر ختم کر کے حلب پہنچ جائیں گے۔ لیکن قسمت ہنس رہی تھی اور وہ چاہتی تھی کہ ہم نے آرام کے سفر بہت کیے ہیں ایک السفر کا لسفر بھی دیکھیں حلب ایک اسٹیشن باقی تھا پاسپورٹ کی تنقیح ہوتی گو اس پر اس سے قبل دو دفعہ فرانس کونسل کے ویزے ہو چکے تھے لیکن یہ حدود شام میں ہمارا تیسرا داخلہ تھا جس کا ویزا لینا ہم انگورا میں بھول گئے تھے حکم ملا کہ آپ حدود ترکیہ میں بزرگ واپس جائیں۔ یا اپنے اس دو رات دو دن کے ریل کے سفر کو ایک دن ایک رات اور بڑھا کر ناک کے راستے سیدھے بھاگیں اور بغیر کہیں دم لیے حدود عراق میں داخل ہو جائیں ہم نے بہت کچھ چیخا چلایا اور ہمارے چلانے سے آپ واقف ہیں (اردو، فارسی، عربی، اور انگریزی چاروں زبانوں کے جوہر دکھائے لیکن سب بے کار۔ آخر طے پایا کہ جتنی دیر گاڑی حلب کے اسٹیشن پر ٹھہرتی ہے۔ (تقریباً دو گھنٹہ) اس عرصے میں ہم اپنا وہ بستر مقدس جو اس تمام سفر میں اور اب تک ہمارے لیے وبال جان اور انفرہ خوامخواہ مرد بنا ہوا ہے، جس کو ہم نے مصر جاتے ہوئے قدس میں زاویہ ہندی

میں رکھ چھوڑا تھا اور ترکی جاتے ہوئے حلب میں اپنے دوست حسینی بے ابراہیم پاشا کے یہاں رکھ دیا تھا، حاصل کرلیں لیکن اس شرط سے کہ پاسپورٹ آفس کا ایک سپاہی اس تمام عرصے میں شیطان کی طرح ہماری گاڑی پر سوار رہے گا۔ تسلیم کیا۔ لیکن حسینی بے کا پتہ بھول گئے تھے۔ دکور عبدالرحمٰن الکیالی اسٹیشن پر مل گئے ان سے پتہ معلوم کرکے گئے بسترلایا ایک ہوٹل میں دو توست کے ساتھ ایک چائے کی پیالی پی اور ریل میں سوار ہوگئے خیال تھا کہ کھانے کا ڈبہ ساتھ ہوگا۔ ۱۲ بجیں گے تو جاکر مرغ و ماہی ہمیشہ کی طرح اُڑائیں گے لیکن دو اسٹیشن جاکر ایک ترکی اسٹیشن پر ہماری گاڑی نے پورے ایک گھنٹے کے لیے وقفہ (اے تو بہ مراقبہ) کیا تو معلوم ہوا کہ نہ آج اس گاڑی میں سونے کے کمرے ہیں نہ کھانے کے اور پھر یہ کہ "نصیبین" تک گاڑی ایسے ہی عالی شان اسٹیشنوں سے ہوکر گذرے گی جس کے اطراف صرف دو تین جھونپڑیاں ہوں گی اور تو کسی چیز کی وہاں کمی نہ رہے گی لیکن صرف کھانے کو کچھ نہ ملے گا۔ اب ہم نے اپنے گزشتہ پانچ ماہی سفر میں پہلی دفعہ صبر جمیل کہہ کر ایک بہت ہی لانبا ٹھنڈا سانس لیا اور کمرۂ ہوائی کو منزلزل کردیا اپنی سیٹ پر سنبھل کر بیٹھ گئے ہینڈ بیگ سے ایک انگریزی ناول نکالا اور پورے حضورِ قلب اور یکسوئی اور سکونِ خاطر (اور ان تمام اصطلاحوں کے ساتھ جو حضرات ..... کرام کے پاس مستعمل ہیں) مطالعے میں مشغول ہوگئے گویا آپ نے پہنچنے تک روزہ اور مکمل روزہ رہنے کی نیت کرلی ہے لیکن جب کبھی کوئی اسٹیشن آجاتا نگاہیں چھپ چھپ کے اس کا دورہ کرلیتیں کہ کچھ ہے بھی۔ دو بجے ایک تربوز ملا جو فوراً ہضم کردیا لیکن خالی پیٹ میں اس کی ہلکی ہلکی مٹھاس نے کچھ عجیب قسم کی گڑبڑ مچادی۔ نتیجے وہ ایک اسٹیشن آیا اور وہاں دو معلوم نہیں کتنے دنوں کی روٹیاں مل گئیں جو ایک سیب کے ساتھ اس طرح چبا چبا کر کھائیں جیسے ہم نے نواب دوست محمد خاں صاحب کے یہاں اپنی وداعی دعوت میں ماش کی دال سے چپاتی کھائی تھی۔ بس جناب اسی پر تمام دن گذر گیا (نہیں بھول گئے)

مغرب کے وقت اُبلے ہوئے انڈے بھی ملے تھے۔ جن میں سے ایک گندا تھا۔ دوسرے روز چھ بجے صبح نصیبین پہنچے موٹر پر قاتلی گئے یہاں ایک موٹر والے نے موصل لے جانے کا وعدہ کیا لیکن مسلسل تین گھنٹہ انتظار کروا کر دس بجے جواب دے دیا۔ کھانے کی تلاش یہاں بھی کی لیکن ایک سوکھی روٹی اور چھاج کے سوا جس کو آنکھیں بند کر کے اتارا تھا کچھ نہ ملا دس بجے قاتلی سے چلے تھے رات کو آٹھ بجے موصل پہنچے عراق کی گرمیاں گویا آفتاب سوا نیزے پر ہے۔ ایسے چٹیل ریتیلے میدان جس میں نچار انگل بلند کھیتی نظر آئی۔ نہ بالشت بھر اونچا کوئی درخت دکھائی دیا۔ لُو کی وہ سختی کہ اللہ کی پناہ، مدینے کا سفر یاد آگیا لیکن مدینے کے راستے میں قلب کی جو کیفیت تھی وہ کہاں سے آتی۔ وہاں تو یہ تھا کہ لُو آتی تھی اور جب خیال آتا کہ وہ راہ مدینہ کی ہے تو معلوم ہوتا کہ برف پر سے ہو کر آتی ہے قسم لے لیجئے جو کبھی زبان سے اس راستے کی شکایت نکلی ہو دوسروں کو بیقرار دیکھ کر حیرت ہوتی لیکن قاتلی سے موصل پہنچنے تک مجھے تو اندیشہ تھا کہ حضرت الحاج نواب مولانا مولوی بہادر خاں صاحب قبلہ و کعبہ، مکہ مسجد چار مینار کا کہیں وصال شریف نہ ہو جاتے۔ غرض جناب موصل پہنچے فوراً بارون ہوٹل میں سرد پانی سے حمام کیا اور ٹھنڈی ہوا میں سو گئے۔ دو روز رہ کر نینوا کے کھنڈروں پر آنسو بہاتے۔ حضرت جرجیس۔ حضرت شیث۔ حضرت یونس۔ حضرت دانیال علیہم السلام کی بارگاہوں پر حاضری دی۔ حضرت اویس قرنی کا مکان دیکھا۔ پٹرول کے کنوؤں کی نسبت معلوم ہوا کہ یہاں نہیں کرکوک میں ہیں ورنہ ارادہ تھا کہ از کم اس کاغذ کو موصل کے پٹرول میں بھگو کر بھیج دیتا۔ آپ بھی اس کی بو سے مشرف ہو جاتے۔ موصل سے گزشتہ دوشنبے کو بغداد پہونچا۔ حضرت غوث پاک قطب الاقطاب شیخ عبدالقادر جیلانی کی بارگاہ پر حاضری دی۔ حضرت جنید بغدادی۔ حضرت ابوبکر شبلی۔ حضرت امام ابوحنیفہ۔ امام اعظم حضرت معروف کرخی۔ حضرت عمر شہاب الدین سہروردی۔ حضرت بہلول دانا۔ حضرت امام موسیٰ کاظم۔ حضرت سری سقطی۔ حضرت امام ابویوسف وغیرہ رحمہم اللہ اولیاء

وآئمہ عظام کی بارگاہوں پر حاضر ہوا۔ اشوریوں۔ بابلیوں۔ گلدانیوں کے کچھ آثار دیکھے۔ کل سامرا گیا تھا۔ سلطان المعتصم باللہ کا ٹوٹتا ہوا محل، مسجد، جامعہ کا عجیب و غریب مینار دیکھا اور حضرت امام حسین عسکری و حضرت امام علی نقی علیہما السلام کی بارگاہ پر سلام عرض کیا وہ غار دیکھا جہاں امام محمد ابن حسن (جو باعتقاد برادران اہل تشیع مہدی آخر الزماں تھے) غائب ہوئے طاق کسرا کے پاس کھڑے ہو کر تھوڑی دیر مداین کے کھنڈروں کی سیر کی۔ حضرت سلمان فارسیؓ کی بارگاہ پر حاضر ہو کر آنکھیں بند کیں اور کسی کو ایران سے تلاشِ حق میں نکلتے اور مدینے میں منزل مقصود پاتے دیکھا۔

غرض وہ سب کچھ دیکھا اور دیکھ رہا ہوں۔ جس کو دیکھ کر ایک صاحب عقل سلیم اپنا قلب روشن کر سکتا ہے لیکن آہ میں اور میرا قلب .... دعا کیجیے کہ روشن ہو جائے۔ والسلام۔

آج شام کو کربلا جا رہا ہوں وہاں سے انشاء اللہ نجف اور بصرہ جاؤں گا۔ واپسی میں بابل اور کیش کے کھنڈر دیکھوں گا اور تین چار روز میں بغداد واپس آ کر انشاء اللہ ایران کا قصد کروں گا۔ اگر فرصت ہو تو برٹش کونسل متعینہ طہران کے ذریعے ایک آدھ خط اپنی خیریت کا بھی لکھ دیجیے لیکن اگر کوئی عنایت فرما مل جائے تو ان کو میرا سلام پہونچانا نہ بھولیے۔

خدا حافظ

بہادر یار جنگ

خیابان لالہ زار (طہران) دارالسلطنت ایران

۳۰ اگست ۱۹۳۱ء — ۲۳ مہر ۱۳۴۰ف

برادران محترم و محبان مکرم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ مزاج شریف اس پوری سیاحت

میں اگر کہیں میرا نظام العمل تبدیل ہوا ہے تو وہ عراق سے چلنے کے بعد۔ غالباً آپ کو عراق سے سہ شنبہ کے روز خط لکھا تھا۔ صبح اسی روز شام کو آٹھ بجے کی گاڑی (ریل) سے خانقین روانہ ہوا۔ یہاں پٹرول کے کئی کارخانے ہیں۔ یہ مقام پہلے حدود ایران میں تھا لیکن حرب عظیم کے بعد سے انگریزی تدبیر نے لکڑی بھی نہ توڑی اور سانپ کو بھی مار دیا۔ اب خانقین کے سارے کارخانے ان ہی کے ہاتھوں میں ہیں۔ اب سنیئے یہاں سے ہندوستان کی سرحد وزداب چمن یا پشاور تک ایک سیاح کے لیے ریل گاڑی حدودِ ایران و افغانستان میں عنقا ہے۔ اب سے دس سال قبل یہاں اونٹوں اور گھوڑوں گدھوں کے قافلے چلتے تھے! اور عراق و بغداد سے طہران تک راستہ تین ماہ میں طے ہوتا تھا لیکن اب سڑکیں تعمیر ہو گئی ہیں اور موٹریں اطراف ایران میں چلتی ہیں جس سے یہی راستہ ایک سیاح، تین دن میں طے کر سکتا ہے دیو ہیکل لاریاں جن کا تصور آپ ہندوستان میں رہ کر نہیں کر سکتے۔ سامان تجارت بندرگاہوں اور روس و عراق کی سرحدوں سے ایران میں پہنچاتی ہیں۔ بس اور ہر میکر کی ٹورنگ اور لیانڈو موٹریں مسافروں کو لے جاتی ہیں لیکن مصیبت یہ ہے کہ ان موٹروں کی سروس کا کوئی باقاعدہ انتظام نہیں ہے بعض شہروں میں صرف گیراج ہے جو من مانے کرائے وصول کرتے ہیں تو بعض چھوٹے چھوٹے مقامات پر دس دس بیس بیس گیراج ہیں۔ جہاں زیادہ گیراج ہیں وہاں مسافر چوطرف بیٹھ جاتے ہیں۔ اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لاری کے بیس ٹورنگ کے پانچ سات مسافروں کی تکمیل میں دقت ہوتی ہے اب یا تو پوری موٹر ہم اپنے لیے حاصل کریں یا جب تک اس موٹر کے مسافر پورے نہ ہوں انتظار کریں۔ حجاز، شام و فلسطین تمام مقامات پر میری عادت رہی کہ میں نے کچھ زیادہ دے کر اچھی ٹورنگ گاڑی میں ڈرائیور کے بازو جگہ حاصل کی اور پیچھے چاہے وہ کسی کو بھی بٹھا لیں مجھے کوئی مطلب نہ رہا۔ لیکن یہاں ایک وقت یہ پیش آئی کہ عراق اور ایران میں ڈرائیور کے بازو دو آدمی بٹھاتے ہیں اس لیے یہاں مجھے ہر جگہ کے لیے دوہرا کرایہ دینا پڑا۔ یہ تھی موٹر سروس کی مختصر و جامع کیفیت۔ اب آیئے سیاحت کے حالات سنئے۔ خانقین میں اسی وجہ سے کہ میرا

دوہرا کرایہ ادا کرنے کے باوجود ان کے یہاں مسافر نہ تھے مجھے ایک دن ضائع کرنا اور چہار شنبہ کو وہاں قیام کرنا پڑا۔ چھوٹا سا مقام و سخت گرمی بہت تکلیف ہوتی لیکن چھت پر رات آرام سے گذری۔ پنجشنبہ کو صبح ۹ بجے خانقین سے چلے عراق اور ایران کے حدود پر پاسپورٹ کی تنقیح اور سامان کی دیکھ بھال اور چنگی کی مصیبتوں سے آزاد ہو کر ۲ بجے قصر شیرین پہنچے۔ یہاں ایک مصیبت یہ پیش آئی کہ بصرے میں ہیضہ شروع ہو جانے کی وجہ سے حکومت ایران نے قصر شیرین میں عراق سے آنے والے ہر مسافر کے لیے پانچ روز قرنطینہ کی شرط لگا دی ہے ہم بھی اس قید میں ڈالے گئے۔ قصر شیرین عراق سے بھی کچھ زیادہ گرم نکلا اگر قرنطینہ سے متصل ایک نہر اور باغ نہ ہوتا تو پانچ دن گزارنا مشکل ہو جاتا۔ چھٹے دن وہاں سے چھوٹے اور کرمان شاہ پہنچے۔ طاق بستان میں قدیم ایرانی آثار اور رستم کے مجسمے کی سیر کی۔ آگے روانہ ہوئے کوہ بے ستون پر فرہادی نقوش کو دیکھا اور ہمدان پہنچے مسافروں کے نہ ملنے کے جھگڑے میں ہمدان میں ایک دن ضائع ہو گیا۔ اور کل صبح ہمدان سے چل کر رات کو ۹ بجے طہران پایہ تخت ایران پہنچا۔ اور گرانڈ ہوٹل میں مقیم ہوں۔ آج سے طہران کی سیر شروع ہوتی ہے آئندہ خط میں اس کی تفصیل ہوگی۔ اب تک جو معلوم کیا اس کا خلاصہ یہ ہے۔

ایران نے رضا شاہ پہلوی کی حکومت کے بعد سے نیا جنم لیا ہے۔ روس و برطانیہ کی رقابت نے اقتصادی حالت بہت ابتر کر رکھی ہے لیکن تدریجی ترقیات برابر جاری ہیں تعلیمی حالت نہایت ناقص ہے۔ اب تک بھی ایران نہ کوئی اپنی یونیورسٹی قائم کر سکا ہے نہ ساری مملکت میں کوئی کالج ہے۔ اعلیٰ تعلیم میٹرک تک ہے۔ امریکن مشنریز نے جنوب میں چند مدارس قائم کر رکھے ہیں۔ فوجی حالت درست کی جا رہی ہے ایران ایک طویل پہاڑی سلسلے میں گھرا ہوا ہے اور پہاڑوں سے بہنے والی نہروں نے اس کو سرسبزی عطا کر رکھی ہے۔ یہ موسم پھول کا نہیں بلکہ پھل کا ہے میوے کی بہتات ہے۔ ایک آنہ کلدار (نیم قرون) خرچ کر کے آپ انگور، انار، سیب، خربوزہ تربوز، ناشپاتی، زرد آلو اور جس میوے سے چاہیں اپنا پیٹ بھر سکتے ہیں۔

الحمد للہ بخیریت ہوں۔ فقط

بہادر یار جنگ

مشہد مقدس

۱۵ آبان ۱۳۴۰ ف ۲۱ ستمبر ۱۹۳۱ء

برادرانِ عزیز و محبانِ محترم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاۃ۔ غالباً میں نے طہران پہنچ کر اپنا آخری عام خط لکھا تھا۔ طہران ایران کا دارالسلطنت اور خوش منظر مقام ہے چونکہ سلاطین قاچار کا بسایا ہوا ہے اس لیے کوئی قدیم آثار یہاں نہیں ہیں البتہ اس کے جنوب میں خرابات رے کے قریب طغرل کا بنایا ہوا ایک برج قابلِ دید چیز ہے۔ مسجد سپہ سالار بھی آگے روانہ ہوتے کوہ بے ستون پر فرہادی نقوش کو دیکھا اور ہمدان پہنچے۔ مسافروں کے نہ ملنے کے جھگڑے میں ہمدان میں ایک دن میں ضائع ہو گیا۔

اچھی عمارت ہے اور اس کے مدرسے کا کتب خانہ بعض نوادرات رکھتا ہے۔ سوء اتفاق سے میں طہران آیا اور حضرت بادشاہ سلامت رضا شاہ پہلوی اپنے ولیعہد کو یورپ روانہ کرنے کے لیے آذربائیجان کی طرف روانہ ہوئے اور ان کے ساتھ وزراء و امراء دولت کی ایک بڑی جماعت بھی روانہ ہو گئی۔ اس لیے حکومت ایران خصوصاً دارالسلطنت کے متعلق معلومات حاصل کرنے میں دقت ہوتی۔ محلات شاہی اور تخت طاؤس کی دید سے محرومی کا رنج ہے۔ پھر بھی آقائے فروغی وزیر خارجہ آقائے تقی زادہ وزیر مالیات اور آقائے میرزا قاسم خان وزیر پوسٹ ٹیلیگراف نے بہت آؤ بھگت کی۔ طہران سے دو روز کے لیے اصفہان گیا تھا۔ خاندان قاچار سے قبل شاہان صوفیہ کے زمانے میں ایران کا دارالسلطنت تھا۔ سلاجقہ اور صوفیہ کے زمانے کے بہترین آثار یہاں دیکھنے میں آئے عالیشان مساجد پر عظمت محلات اور ایرانی مصوری کے بہترین نمونے دیکھے۔ شیراز میرے پروگرام میں تھا لیکن میرے راستے سے اتنی دور کہ ہمت نہ ہوئی اور "کنار آب رکن آباد" اور "گلگشت مصلی" کی دید سے محروم رہا۔ ایرانی عموماً جھوٹے بدعہد اور ناقدر شناس وقت ہیں خود آج کے کام کو کل پر بلکہ ایک مہینہ ادھر ڈالنے کے عادی ہیں اور دوسرے کے وقت کی بھی ان کے نزدیک کوئی قدر نہیں ہے۔ میں نے ایران کے سفر کے لیے

جتنے دنوں کا اندازہ کیا تھا اس سے دُگنی مدت اب تک صرف ہو چکی ہے۔ کامل ایک ماہ چار روز مجھے حدودِ ایران میں آتے ہو چکے ہیں۔

ادبا، علماء، شعراءِ ایران نے بہت آؤ بھگت کی۔ علمی و ادبی مجلسوں میں شریک ہوا۔ ان کا کلام سُنا اور ہندوستانی فارسی گو شعراء کا کلام سنایا۔ ممکن ہے کہ مستقبل قریب میں ایران و ہندوستان کے درمیان ایک رابطہ ادبی قائم کر سکوں ایران اپنی قریب الموت نیند سے چونکا ہے اور آہستہ آہستہ لیکن مستقل رفتار سے منزلِ ترقی کی طرف چل رہا ہے۔ موجودہ حالت گو مایوس کن ہے لیکن میں اس کے مستقبل کو سیاسی و اقتصادی حیثیت سے تاریک نہیں پاتا۔

طہران سے گزشتہ پنجشنبہ کو بوقت دو ساعت ظہر چلا تھا۔ دو راتیں راستے میں بسر کر کے پرسوں بروز شنبہ تقریباً اسی وقت مشہدِ مقدس پہنچا جس کا فاصلہ طہران سے نو سو کیلومیٹر یعنی تقریباً سات سو میل ہے۔ راستہ قدرے خراب تھا۔ موٹر میں بہت تکان ہوئی لیکن الحمدللہ اچھا ہوں اور گزشتہ چھ ماہ کی سیاحت نے برداشت مصائب کی ایک قوت پیدا کر دی ہے اور اگر یہ نہ ہوتا تو میں اپنے سفر کو ناکام سمجھتا راستے میں بسطام میں حضرت بایزید بسطامیؒ کے لیے فاتحہ پڑھی اور نیشاپور میں عمر خیام کی قبر پر کھڑے ہو کر اس کی ایک دو رباعیاں پڑھیں اور لطف اٹھایا۔

مشہد، خراسان کا دارالسلطنت ہے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا روضۂ اقدس ایران و خراسان کی سب سے بڑی زیارت گاہ ہے۔ شان و شوکت کے لحاظ سے میرے دیکھے ہوئے تمام روضوں اور درگاہوں سے بڑھ کر تقریباً ایک کروڑ تومان سالانہ (ڈیڑھ کروڑ سکہ عثمانیہ) کی معاش درگاہ کے لیے وقف ہے۔ یہیں نادر شاہ کی قبر ہے اور اس خط کو ختم کر کے طوس کے کھنڈروں کو جا رہا ہوں کہ فردوسی کی قبر دیکھوں اور فاتحہ پڑھوں۔ سردی یہاں طہران کی بہ نسبت زیادہ اور ہمارے یہاں کے گلابی جاڑوں کے مساوی ہے حالانکہ یہاں کے نزدیک موسم گرما ہے۔ موسم سرما یہاں کا بہت سخت ہوتا ہے۔ برف باری کی وجہ سے کوئی گھر سے باہر نہیں نکل سکتا۔

کل قصد ہے کہ انشاء اللہ یہاں سے ہرات روانہ ہو جاؤں موٹر پر دو روز کا راستہ ہے۔ ہرات سے انشاء اللہ ذرہ مبارک جاؤں گا اور حضرت خاتم ولایت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس پر جبہ سائی کا شرف حاصل کروں گا۔ ایران کا سفر دوسرے مقامات کی بہ نسبت کٹھن تھا اور اب افغانستان اس سے زیادہ سخت معلوم ہوتا ہے لیکن جس خدا نے یہ سب سفر صحت و عافیت سے پورے کرواتے اسی کا بھروسہ ہے۔

تمام احباب کی خدمت میں حسب مراتب آداب و تسلیمات اور دعائے صحت و عافیت کا اُمیدوار ہوں۔ آئندہ خطوط سفیر برطانیہ متعین کابل کے توسط سے لکھے جائیں۔ خدا حافظ

دور افتادہ
بہادر یار جنگ

بسمہ وار (افغانستان کا ایک چھوٹا سا تعلقہ)

۲۹ آبان ۱۳۴۰ف ۵ اکتوبر ۱۹۳۱ء

برادران عزیز و احباب محترم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ شاید مشہد سے میں نے اپنا تفصیلی خط لکھا تھا یوں تو ایران کے ہر حصے میں بروقت موٹر کا مہیا ہو جانا دشوار ہے لیکن افغانستان کے لیے خصوصاً زیادہ مشکل تھا۔ مشہد میں افغانستان کی جانب نقل و حرکت کرنے والے صرف دو گارج ہیں تین روز کی مسلسل تلاش کے بعد ایک موٹر مل گئی۔ اور پیوستہ جمعہ کو بعد ظہر ہم وہاں سے روانہ ہوتے۔ اتفاق سے یہ موٹر بھی کئی نقائص سے معمور تھی نہ اس میں روشنی تھی۔ نہ بریک درست تھے نہ کاربوریٹر نہ پٹرول برابر کھینچتا تھا۔ مشہد اور ہرات کا درمیانی راستہ جو تقریباً ۶ سو میل ہے اور عموماً اچھی موٹر ہو تو دو دن میں طے ہو سکتا ہے تین رات اور چار دنوں میں طے ہوا۔ راستہ میں حدود ایران پر "کاریز" کے چنگی کے محکمہ نے ہمارے ساتھ جتنی گنّیاں تھیں سب ضبط کر لیں۔ ایران میں ایک

انوکھا قانون یہ ہے کہ اپنے حدود سے باہر سونے کا سکہ نہیں لے جانے دیتے۔ اور اس کو ضبط کر کے اس کی قیمت کے مطابق جرمانہ بھی مسافر سے وصول کرتے ہیں گنّیاں انھوں نے لے لی ہیں جرمانے کا مطالبہ ہے اور میں نے ایران کے وزرا کو اس رقم کے استرداد کے لیے تار دیا ہے ابھی کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ گویا السفر کالسقر کی ابتدا ہوئی ہے خدا اس کو وسیلۂ ظفر بھی ثابت کرے افغانستان کا سفر دس سال یا پانچ سال قبل کے سفر کی بہ نسبت بہت سہل اور آسان ہو گیا ہے لیکن اب بھی یکا و تنہا مسافر کے لیے جو دشواریاں ہیں۔ ان کا تصور بھی سبکسارانِ ساحل نہیں کر سکتے مجھے آقائے شیر احمد خاں سفیر کبیر افغانستان نے ہرات، فراہ اور قندھار کے حکام اعلیٰ کے نام خطوط تعارف دے رکھے ہیں۔ اور وہ نہایت اخلاق سے پیش بھی آ رہے ہیں۔ اور دوسرے خود افغانی مسافروں کی بہ نسبت میرے لیے بہت سی سہولتیں بہم پہنچائی گئی ہیں۔ لیکن پھر بھی یہ دُعا کرتا ہوں کہ آپ میں سے اگر کوئی سفر کرے تو خدا اس کو ان مشکلات سے دوچار نہ کرے میرا قصد ہرات میں صرف دو روز ٹھہرنے کا تھا لیکن موٹر کے انتظام کے لیے ایک ہفتہ ٹھہرنا پڑا اور الحمدللہ ایک موٹر میں ڈرائیور کے بازو کی سیٹ حاصل کر لی۔ اس ملک میں تنہا یا دو چار مسافروں کے ساتھ دشت و صحرا کا سفر خطرناک ہے۔ اس لیے لاری میں جگہ حاصل کی جس میں تقریباً بیس مسافر ساتھ ہیں۔ یہ انتظام ہفتہ کے روز مکمل ہو گیا تھا لیکن ہفتہ اور اتوار دو روز بیس بائیس مسافروں نے صرف اس لیے زحمتِ انتظار برداشت کی اور اپنے بندھے ہوئے سامان کے ساتھ گارج میں پڑے رہے کہ جناب مستوفی صاحب (تعلقدار ضلع) کو چند خط کابل روانہ کرنے تھے اور وہ تیار نہ ہوتے تھے۔ نہ صرف یہ بلکہ جب ہم سبزہ وار (وہ مقام جہاں سے میں خط لکھ رہا ہوں) پہنچے تو معلوم ہوا ان ہی حضرت مستوفی صاحب نے ٹیلیفون کیا ہے کہ موٹر سے بعض اور خطوط روانہ کیے جا رہے ہیں۔ چنانچہ چھ بجے سے موٹر دھوپ میں کھڑی ہے! اور میں اسی میں بیٹھا ہوا یہ خط لکھ رہا ہوں ایران کے راستوں میں ہر منزل پر قہوہ خانے تھے جن میں روٹی (خواہ وہ کیسی ہی سخت جلی ہوئی سوکھی۔

اور بدمزہ کیوں نہ ہو) اور انڈے وغیرہ مل جاتے تھے لیکن افغانستان کے راستوں میں سوا نہروں کے جو پروردگارِ عالم نے ہر چند قدم پر جاری کر رکھی ہیں کوئی چیز نہیں ملتی۔ کل صبح ہرات میں ناشتہ کیا تھا۔ باقی دونوں وقت صرف وہ بسکٹ چباتے جو ساتھ رکھ لیے ہیں۔ اور پانی پی کر خدا کا شکر ادا کیا۔ رات "سبزہ وار" پہنچے معلوم ہوا کوئی مسافر خانہ گارج یا مسجد نہیں ہے ایک قبرستان کے صحن میں بستر بچھاتے سو رہے۔ سردی اس شدت کی تھی کہ میں حیران ہوں کہ کیوں اکڑ نہ گیا۔ اب بازار کو آدمی بھیجا ہے کہ ایک آدھ مرغ ملے تو لاتے اور پکاتے۔ ملازم کی ضرورت صرف افغانستان میں محسوس ہو رہی ہے۔

ہرات نہایت قدیم اور تاریخی مقام ہے سکندر اعظم اسی راستے سے ہندوستان آیا تھا چنگیز نے اس کو فتح کیا۔ تیمور کے بعد اس کے خاندان نے برسوں اس پر حکومت کی۔ اولیاء اللہ کے مزارات یہاں ان گنت و لاتعداد ہیں۔ حضرت امام فخر الدین رازی حضرت قاسم فرزند امام جعفر صادق حضرت ابن معاویہ، عبداللہ بن جعفر طیار حضرت امام عبداللہ الواحد ابن مسلم ابن عقیل۔ حضرت خواجہ عبداللہ انصاری۔ حضرت سعید الدین کاشغری حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ وغیرہ ہم کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ میرا منزل مقصود فراہ مبارک ہرات و قندھار کے درمیان واقع ہے اور رات سے تقریباً دو سو میل کے فاصلے پر اور اب بوقت تحریر خط مجھ سے صرف تقریباً ایک سو میل اگر ہم اب روانہ ہو جاتے تو شام تک پہونچ جاتے۔ اور اب انشاء اللہ کل پہونچ جائیں گے اور ڈریور میرا خط قندھار لے جائے گا۔ اور وہاں سے ڈاک کے حوالے کرے گا۔ اور جس وقت یہ خط آپ کو ملے گا ایک گنہگار غلام اپنے عالی قدر آقا حضرت خاتم ولایت محمدی خلیفۃ الرحمٰن مہدی موعود آخر الزماں علیہ صلوٰۃ اللہ والسلام کثیراً کثیراً کی بارگاہِ اقدس پر جبہ سائی کی عزت حاصل کر چکا ہوگا۔ دعا کیجیے کہ خدا اس حاضری کو شرفِ قبول بخشے۔

سفر سے دل بیزار ہو گیا ہے اور اب ایک ایک منٹ ایک سال کے برابر ہے۔ لیکن اس زحمت کے بعد یہاں تک پہنچ کر افغانستان کے دوسرے شہروں کی سیاحت

سے (جہاں غالباً ہر وقت آنا نہ ہو سکے) محروم رہنے کو دل نہیں چاہتا اس لیے چاہتا ہوں کہ قندھار کے راستہ کابل جا کر وہاں سے راست گھر آؤں سب پریشان حال چھوٹوں بڑوں کو سلامِ محبت والسلام۔

بہادر یار جنگ

*

فہرست مطبوعات اکادمی

جواہر پارے

۹۰ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں قائد ملت کی تقریروں سے اقتباسات جمع کئے گئے ہیں۔ قیمت پانچ روپے

تاثراتِ دکن

یہ کتابچہ مولانا عبد الماجد دریا آبادی مرحوم کے اس سفر کی روداد ہے جو انھوں نے مسلمانوں کی عظمت گم گشتہ یعنی حیدر آباد دکن کے لئے ۱۹۶۳ء میں اختیار کیا۔ ۶۰ صفحات، قیمت پانچ روپے

مکاتیب بہادر یار جنگ جلد اول

اس مجموعہ میں دسمبر ۱۹۳۸ء سے لے کر جون ۱۹۴۴ء تک کے چھ سو چار خطوط شامل ہیں یہ دور برصغیر کی تاریخ کا بہت اہم اور نازک دور تھا۔ نواب بہادر یار جنگ نے اس دور میں مختلف تحریکوں، پروگراموں اور منصوبوں کے سلسلے میں جہاں نامور ہمعصر شخصیتوں سے خط و کتابت کی۔ ان کے یہ خطوط نہ صرف ان کی شخصیت۔ خیالات و افکار اور کردار پر روشنی ڈالتے ہیں بلکہ اس دور کی تاریخ بھی ہیں۔ ۶۴۰ صفحات پر محیط، ۱۲ تصاویر سے مزین کتابت طباعت اعلیٰ، جلد خوبصورت، قیمت ۳۰/- روپے

حیات بہادر یار جنگ

۲۶۸ صفحات کی اس کتاب کا کاغذ نفیس، کتاب بہترین اور طباعت خوبصورت، قیمت پندرہ روپے

ارمغانِ دکن

"ارمغانِ دکن" علامہ اقبال کی خدمت میں مملکت آصفیہ حیدر آباد دکن سے تعلق رکھنے والوں کا خراجِ عقیدت ہے۔ بہادر یار جنگ مرحوم کی علامہ اقبال پر ایک یادگار تقریر شامل ہے علامہ اقبال کی خدمت میں مخدوم محی الدین۔ سکندر علی وجد، صاحبزادہ میکش، عبد القیوم باقی اور نظر حیدر آبادی کا منظوم نذرانۂ عقیدت بھی شامل ہے۔ صفحات ۸۸، قیمت پانچ روپے

منشورِ پاکستان

قائدِ ملت نواب بہادر یار جنگ کی یہ وہ معرکۃ الآرا تقریر ہے جو آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں فرمائی گئی۔ قیمت دو روپے

نواب بہادر یار جنگ مشاہیر کی نظر میں

گزشتہ ۲۲ سال میں نواب صاحب مرحوم کی سیرت و سوانح حیات اور ان کی ملی و ملکی خدمات پر ملک کے نامور ادیبوں، سیاست دانوں مورخوں اور علماء کرام نے نہایت اہم مضامین تحریر فرمائے ہیں اور نہایت وضاحت کے ساتھ ان کی زندگی اور کارناموں کا جائزہ لیا ہے۔ ۳۵۲ صفحات پر محیط اس کتاب کی طباعت دیدہ زیب، کاغذ اعلیٰ اور جلد خوبصورت ہے۔ قیمت -/۳۰ روپے

مملکت حیدر آباد جلد اول

حیدر آباد کا علمی و ادبی ورثہ علم کے موتی جو اس فہرست میں چمک رہے ہیں۔ حیدر آباد کی ثقافتی تاریخ کی دولت ہیں۔ ۸۰۰ صفحات پر محیط یہ کتاب میگزین سائز میں آفسٹ پر طبع ہوئی ہے۔ کاغذ بیش قیمت، کتابت دیدہ زیب اور جلد خوبصورت۔ قیمت ایک سو تیس روپے۔ علاوہ محصول ڈاک

جامعہ عثمانیہ

یہ کتاب ڈاکٹر رضی الدین صدیقی صاحب اور انجنیئر محمد ابراہیم صاحب کے مقالات پر مشتمل ہے۔ ڈاکٹر رضی الدین صدیقی نے جو اس جامعہ کے قدیم طالب اور وائس چانسلر رہ چکے ہیں۔ اس کتاب میں جامعہ عثمانیہ کی تاریخ بیان کی ہے جو ان کے اپنے ذاتی مشاہدات کا نچوڑ ہے۔ قیمت غیر مجلد -/۲۰ روپے، مجلد -/۲۵ روپے

مکاتیب بہادر یار جنگ جلد دوم

یہ مکاتیب وہ ہیں جن کے مسودات ایک بیاض میں قاعدت لکھوایا کرتے تھے۔ ان بیاضوں میں سے تین جلدیں شاہ عالم خاں مرحوم کے ورثا سے جناب وحید الدین خاں بوزئی معتمد عمومی بہادر یار جنگ اکیڈمی نے حاصل کر کے اکیڈمی کی نذر کی ہیں۔

۲۶۰ صفحات پر مشتمل ۳۲۳ خطوط، قیمت -/۳۰ روپے

ملنے کا پتہ

بہادر یار جنگ اکیڈمی

بہادر آباد، سراج الدولہ روڈ ـــــ کراچی ۵

N

نواب بہادر یار جنگ
اور
اسلامی سیاست

" اسلام باطل کی نفی سے شروع ہوتا ہے اور حق کے اثبات پر مکمل ہوتا ہے۔ مسلمان اسوقت تک مسلمان ہو نہیں سکتا، جب تک ان سب اقتدار پسندوں کی نفی نہ کرے، جو خدا کے سوائے اس کے بنائے ضوابط کے خلاف، اپنے اندر اقتدار دیکھنا چاہتے ہیں۔"

" سن لیجئے اور آگاہ ہو جائیے کہ جس سیاست کی بنیاد کتاب اللہ اور سُنّتِ رسول اللہ پر نہیں ہے۔ وہ شیطانی سیاست ہے۔"

" اسلام میں سیاسی جمہوریت یا خلافت اس کی معاشی جمہوریت پر مبنی ہے وہ اس سوسائٹی میں جمہوریت قائم کرتا ہے، جس کے افراد میں اسلامی اخوت، مساوات اور آزادی پائی جاتی یعنی جمہوریت صرف اس قوم میں ہو سکتی ہے جس کے افراد میں ایک رابطۂ دماغی موجود ہو جو مغربی ممالک میں بھی جمہوریت کی ایک لازمی شرط اور بنیادی مفروضہ ہے۔ اسلامی تمدن کے مختلف پہلو آپس میں مربوط اور مشروط ہیں ایک کے بغیر دوسرے کا نفاذ ممکن نہیں۔"

" جماعتِ مسلمہ کا امیر، ملّت کا خادم اور خدا اور اس کے رسول کا خلیفہ ہوتا ہے۔ اس کے دستورِ حکومت کتاب اللہ و سنّتِ رسول اللہ پر عجمی تصورات کے غلبے نے رفتہ رفتہ مسلمانوں کے امیر کو قیصر و کسریٰ کا جانشین بنا دیا ہے۔"

" اسلامی دستورِ حکومت میں امیرِ ملّت ایک خادم ہوتا ہے اور اس خدمت کے معاوضہ میں ملّت کے مشترکہ اور اجتماعی خزانے سے بقدرِ ضرورت معاوضہ پاتا ہے۔ خلافتِ راشدہ میں یہ معاوضہ قوتِ لایموت سے زیادہ نہ ہوتا تھا۔"